قریش وثقیف کا تمدنی اور تجارتی ارتباط

ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی

قریش وثقیف کے تجارتی روابط

قریشی بطون و خاندان کا خاص طور سے اور دوسرے اہلِ مکہ کا عام طور سے بنیادی پیشہ تجارت و سوداگری ہی تھا۔ وہ یمن اور جنوبی عرب کے مختلف بازاروں میں سال بھر گھوم گھوم کر تجارت کرتے تھے، اپنا مال لے جاتے اور اسواقِ عرب سے ضرورت کا سامان لاتے تھے۔ اسواقِ عرب سال بھر ماہ، دو ماہ کے وقفے سے شمالی عرب کے خطے سے شروع ہوتے تھے: محرم وصفر کے ماہ میں پھر شمال مشرق کی طرف، عراق وایران کی جانب، ان کا رخ ہوجاتا اور ماہ دو ماہ کے بعد وہ اسواق مختلف مقامات پر لگتے رہتے۔ اس کے بعد ان کا مشرقی عرب، ایران سرحد کی طرف رخ ہوتا، وہ یمامہ، بحرین، عمان، ہجر، صنعاء وغیرہ میں منعقد ہوتے تھے۔ یمن پہنچ کر ان کا رخ شمال مغربی ساحلی پٹی سے لگے لگے حجاز کی طرف ہوتا اور حج کے موسم میں وہ مختلف مقامات پر لگتے۔ ان بازاروں میں سب سے زیادہ مشہور عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ تھے اور دوران حج منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی سوداگری ہوتی تھی۔ (۱)

تجارتی اشیا

طائف اور مکہ دونوں اپنی قربتِ مکانی اور قرابتِ خاندانی کی بنا پر ایک طرح سے جڑواں شہر بن گئے تھے۔ ان دونوں کے شہریوں اور تاجروں کے قریبی روابط تھے، کیوں کہ طائف اور اطرافِ طائف کے ثقیف وہوازن کے قبیلوں میں بھی تجارت عام تھی۔ اگرچہ مکہ کے قریش کے مقابلے میں ان کے دیار میں زراعت وصنعت اور حرفت بھی ایک بہت اہم اور ثمر آور پیشہ ومشغلہ تھا۔ مکے کی وادی غیرِ ذی زرع (بے آب وگیا) زمین کے مقابلے میں طائف کے پہاڑی میدانوں میں زرعی پیداواریں ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ ان کے میدانی علاقوں میں پانی اور سبزی کی سہولت اور زمین کی زرخیزی کی بہ دولت باغات

اور کھیت بھی تھے۔ان میں انگور کی کاشت بڑے پیمانے پر کی جاتی تھی اور تقریباً ہر بڑے سردارِ ثقیف و شیخِ ہوازن کے انگور کے باغات تھے۔ انفرادی زرعی اموال/ جائدادوں کے ساتھ ساتھ ان کے خاندانوں اور بطون کے مشترکہ اموال/ جائدادیں بھی بہ کثرت تھیں۔ انگور (عنب) کی کاشت و پیداوار کے پیچھے بنتِ عنب (شراب) کی صنعت اور عربوں کی قومی لت کی بھی بہت کارفرمائی تھی۔ (۲)

قریشِ مکہ اور ثقیفِ طائف کی باہمی تجارت کافی اہم تھی اگرچہ اس کے بارے میں ہماری معلومات بہت زیادہ نہیں ہیں۔ مختلف ماخذ و مصادر میں اس کی تعمیر و آبادکاری، حصار بندی اور تجارت و اموال کے بارے میں منتشر قسم کی روایات ملتی ہیں، جن کی بنیاد پر ثقفی تجارت اور اس کے مکی تجارت سے باہمی ربط و تعلق کے خطوط واضح کرنے کی کوشش ذیل میں کی جارہی ہے۔

یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ طائف کی تاریخ کے واقف کاروں نے بتایا ہے کہ حضرموت سے قبیلہ صدف کا ایک شخص جس کا نام الدمون بن عبدالملک تھا اپنے ایک عم زاد عمرو نامی کو قتل کرکے طائف بھاگ آیا اور مسعود بن معتب ثقفی سے ملا۔ اس کے پاس بہت مال تھا اور وہ تاجر تھا۔ اس نے ثقفی سردار سے کہا کہ میں تمہارا حلیف بن جاؤں گا بہ شرطے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ازدواجی تعلقات استوار کرلیں اور میں تمہارے شہر کے گرد ایسا حصار (حائط) تعمیر کردوں گا جس کو کوئی بھی عرب پار نہیں کرسکے گا۔ ثقفی سردار نے اس کی بات مان لی اور دونوں کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہوگئے اور اس نے اس مال تجارت سے شہر پناہ (طوفاً) تعمیر کردی لہٰذا اس کا نام طائف ہوگیا۔ اس سے قبل طائف کا نام ''وج'' تھا جو عمالیق کے وج بن عبدالحی کی طرف منسوب تھا۔ یاقوت حموی نے اس کی مزید تفصیل بھی کی ہے اور دوسری روایات بھی دی ہیں۔ اس کی زرخیزی، پیداوار اور پانی کا ذکر کیا ہے۔ (۳)

اگر یہ بیان صحیح ہے تو الدمون نامی حضرمی تاجر نے اپنے مالِ تجارت سے ایک بڑا تعمیری کام کیا تھا جو اپنی نوعیت کا ایک ہی تھا۔ اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ ایران کے کسی کسریٰ نے طائف کے ایک تاجر کی خدمات سے متاثر ہوکر شہر طائف کا حصار تعمیر کرنے کے لئے ایک انجینئر بھیجا تھا۔ بالعموم تجار اس قسم کے فلاحی یا تعمیری کام نہیں کرتے اگرچہ ان کے فیاضانہ کارنامے بالعموم جاہلی عرب اور اسلامی عہد کی تاریخ میں ثبت ہیں۔ بہ ہر حال اس سے زیادہ بحث نہیں ہے، اصل نکتہ بحث ہے کہ ایک جنوبی عرب کے تاجر نے طائف میں حلف و تجارت اور ازدواج کے معاہدے کئے اور غالباً اس نے ثقیف کے شیخ اور دوسرے حلفائے طائف کے ساتھ مل کر یا تنہا تجارتی کاروبار جاری رکھا تھا اور اس کا ایک اہم ارتباط قریش سے بھی تھا کیوں کہ مکہ مکرمہ ثقفی زراعتی اور صنعتی چیزوں کے لئے ایک عمدہ اور قریبی اور منفعت بخش

منڈی بھی تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے کہ ''قبل اسلام یہاں سے میووں اور ترکاری کے علاوہ شراب، گیہوں اور لکڑی نیز دباغت شدہ کھالیں برآمد ہوتی تھیں......''۔ یاقوت حموی اور دوسرے مآخذ ومصادر کے بیانات سے طائف کی برآمدی اشیا کی تعداد اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ زراعتی اشیا میں شہد کا ذکر بعض احادیث میں اور کتبِ سیرت میں ملتا ہے جو ثقیف وطائف کا عمدہ تحفہ بھی تھا اور مشہورِ خلائق تھا۔ دوسری چیز پنیر تھی جو بہت عمدہ تیار کی جاتی تھی۔ کھجور کا ذکر بھی ملتا ہے اور اس کی دونوں قسمیں تازہ کھجور (تمر) اور کشمش (زبیب) شامل ہیں۔ مویشی اور چوپائے بھی ثقفی تجارت کا ایک حصہ تھے اور وہ مختلف عرب، علاقوں خاص کر مکہ مکرمہ میں برآمد کئے جاتے تھے۔ ان میں شامل تھے: پہاڑی بکری بکرے، دنبے، بھیڑ اور گائے اور اونٹ کی بعض خاص اقسام صرف طائف اور دیارِ ثقیف میں ہی ملتی تھیں۔ (۴)

دیارِ ثقیف اور شہر طائف کی زرخیز وادیوں میں ثقیف وقریش دونوں کے خاندانوں اور رئیسوں کے بہت سے اموال تھے۔ ان اموال میں متعدد یا گوناگوں زراعتی پیداواریں ہوتی تھیں جن میں انگور، پھل پھلاری، ترکاری اور شہد وغیرہ خاص فصلیں تھیں اور پسندیدہ بھی۔ ان زرعی فارموں کے مالکان ان کی پیداوار اپنی ذاتی ضرورت سے زیادہ تجارتی مقاصد سے کیا کرتے تھے اور اس کی ترقی کی ہر آن فکر کرتے تھے۔ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ صاحبانِ اموال خواہ ثقفی ہوں یا قریشی ان زرعی پیداواروں کو مقامی بازاروں میں فروخت کرتے تھے اور ان سے زیادہ وہ دوسرے اسواقِ عرب بالخصوص قریشِ مکہ کی روزمرہ کی ضروریات کے لئے اس کے بازاروں میں لائی جاتی تھیں۔ ان میں ثقفی اور قریشی دونوں تاجروں کی مقامی تجارت میں شراکت اور باہمی تجارت میں ارتباط کا معاملہ بالکل یقینی ہے۔ قرآن مجید کی آیت کریمہ میں، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صرف دعا برائے فراہمی رزق ہی نہیں ہے مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے اور کئی روایات نقل کی ہیں کہ حضرت ابراہیم کی یہ دعا کہ اہل مکہ میں آباد ان کی اولاد کو ہر طرح کے ثمرات سے نوازدے قبول ہوگئی تھی اور اس کی قبولیت کی سب سے زیادہ اور قریبی مثال یہ تھی کہ طائف سے روزانہ سبزی وترکاری، پھل اور دوسرے ثمرات مکہ مکرمہ پہنچا کرتے تھے۔

قریشی وثقفی شرکائے تجارت

بعثتِ نبوی سے ذرا قبل اور اس کے عین زمانے میں مکے اور طائف کے دو بڑے اکابر کے تجارتی تعلقات کا ذکر ملتا ہے۔ وہ ان دونوں کی علاقائی تجارت کے علاوہ ان کی بین الاقوامی تجارت کے طریق کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ پہلے ان کی تجارت باہمی کا ذکر پھر طریقِ تجارت پر بحث کی جاتی ہے۔

ثقیف طائف کے شیخ امیہ بن ابی الصلت ثقفی صرف شاعر ہی نہ تھے، جیسا کہ ان کے بارے میں عام طور سے مشہور ہے، وہ ایک بین الاقوامی تاجر بھی تھے اور ان کے تجارتی تعلقات شام ویمن کے علاوہ بحرین، مدینہ، مکہ اور طائف وغیرہ کے بازاروں سے بھی تھے۔ امیہ ثقفی، بہ قول حافظ ابن عساکر، تجارتی اغراض سے بحرین میں آٹھ برس تک مقیم رہے اور تجارت مختلف اسواق میں کرتے رہے۔ طائف واپس آکر وہ اپنے تجارتی مقصد سے مکہ مکرمہ گئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ کی رسالت ونبوت کی خبر سنی اور آپ ﷺ سے مل کر اس کی تصدیق بھی کی لیکن ایمان کا اقرار واظہار نہ کیا۔ ان کی بہن کا بیان ہے کہ وہ اس ملاقات وتجارتِ مکہ کے بعد شام چلے گئے اور شام کے سفر میں وہ مدینے سے گذرے اور وہاں مدتوں تجارتی مشاغل میں مصروف رہے۔ اسی دوران رسولِ اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کی ہجرت کی اور امیہ ثقفی غزوہ بدر کے بعد شام سے واپس ہوئے اور رسولِ اکرم ﷺ سے بدر ہی کے مقام پر ملاقات بھی کی لیکن غزوہ بدر میں قریش کی عبرت ناک شکست نے ان کا دل توڑ دیا۔ وہ سیدھے مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور پھر وہاں سے طائف چلے گئے۔ یہ پورا تجارتی اسفار کا ایک سلسلہ تھا جو طائف سے شروع ہوتا تھا اور مختلف تجارتی منڈیوں کا احاطہ کرتا ہوا اپنے اصل مرکز کی طرف لوٹتا تھا۔ ابوالفرج اصفہانی نے امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے تذکرے میں صاف لکھا ہے کہ ثقیف کا ایک کارواں شام گیا جس میں امیہ بن ابی الصلت شامل تھے:

خرج ركب من ثقيف الى الشام، وفيهم امية بن ابى الصلت (۵)

مکہ مکرمہ کے شیخ و سالار حضرت ابوسفیانؓ بن حرب اموی بعثت سے قبل کے زمانے میں عرب اسواق کے علاوہ دوسرے مراکزِ تجارت کو تجارتی مقاصد سے جاتے تھے اور بین الاقوامی تجارتِ شام ویمن سے بھی پوری طرح وابستہ تھے۔ ان کے شریکِ تجارت کوئی اور نہیں رسولِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمیؓ تھے۔ وہ ان کے اکثر تجارتی اسفار میں ساتھ ہوتے تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ مال نبوی سے بھی تجارت کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ''میں تجارتِ شام سے واپس لوٹا تو سیدھا یمن چلا گیا اور وہاں سے واپسی پر مکہ ہوتا ہوا تجارت ہی کے لئے طائف پہنچا جہاں امیہ ابن ابی الصلت ثقفی کا مہمان بنا۔ میں نے امیہ ثقفی کو رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کا حال سنایا تو ان کو بڑا صدمہ ہوا کہ ابن عبدالمطلب نے دعویٰ کر دیا کہ وہ خود بعثت کے منتظر وامیدوار تھے''۔ بہ ہر حال طبرانی کی ایک اور روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امیہ ثقفی اور ابوسفیانؓ اموی دونوں شریکِ تجارت بھی تھے اور دونوں غزہ اور ایلیا (بیت المقدس) کے تجارتی اسفار ساتھ ساتھ بھی کیا کرتے تھے۔ اس تجارتی واقعے میں بھی دونوں کی مشارکت کا ذکر ہے۔ ابوالفرج اصفہانی نے اس ضمن میں یہ وضاحت کی ہے کہ وہ شامی سفر پر گئے تو ان کے ساتھ

عرب وقریش کی جماعت تھی جن میں ابوسفیان اموی بھی تھے، جنھوں نے ان کے بار بار ہر کنیسہ میں جانے اور رفقا کو انتظار کرانے کی شکایت کی تھی۔ ان دونوں کی شامی تجارت پر خالد بن یزید کی ایک اور روایت ہے جس میں صرف وہی دونوں شامل تھے۔ (۶)

اموی شیخ ابوسفیان بن حرب اور ثقفی شاعر وتاجر امیہ بن ابی الصلت کی باہمی تجارت اور شراکت کی ایک اور روایت بھی ملتی ہے۔ امام طبرانی کے حوالے سے حافظ ابن کثیر دمشقیؒ نے لکھا ہے کہ دونوں اموی قریشی اور ثقفی طائفی شریکان تجارت ایک تجارتی کارواں میں شام گئے۔ دونوں نے مختلف مقامات اور منڈیوں میں کاروبار کیا اور آخر میں غوطہ دمشق پہنچے۔ اس کے بازار میں اپنا سامانِ تجارت فروخت کیا اور دمشقی اشیائے تجارت کی خرید کی۔ اس پورے کاروبار تجارت میں دونوں شریکِ تجارت غوطہ دمشق میں دو ماہ تک اقامت گزیں رہے۔ اس کے بعد وہ دونوں شام کے دوسرے بازاروں اور شہروں میں تجارت کے لئے گئے اور ان میں بھی خوب خرید وفروخت کی اور کافی نفع کمایا۔ کئی ماہ کے اس طویل سفرِ تجارت کے بعد دونوں وطن واپس ہوئے۔ دونوں ساتھ ساتھ مکے آئے اور وہاں کچھ دنوں تک قیام کیا۔ امیہ بن ابی الصلت ثقفی تو طائف چلے گئے اور حضرت ابوسفیان اموی نے کچھ مدت کے بعد یمن کی تجارت کے لئے رختِ سفر باندھا۔ (۷)

اصلاً اموی شریک تجارت ابوسفیان بن حرب کے ساتھ امیہ بن ابی الصلت ثقفی کی شراکت و ندیمی موروثی تھی۔ امیہ بن ابی الصلت ثقفی کی ماں رقیہ بنت عبد شمس تھیں، جو حضرت ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس کے والد کی پھوپھی تھیں اور شاید ان کی ہم عمر۔ حرب بن امیہ اموی اور امیہ بن ابی الصلت ثقفی اس قریبی رشتے کی وجہ سے، کچھ ہم عمری کے سبب اور زیادہ اموی ثقفی تجارت میں شراکت کی بنا پر ایک دوسرے کے دوست، ندیم اور شریک بن گئے تھے۔ امام سہیلی اور حافظ ابن کثیر دمشقی کی روایات کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ امیہ ثقفی اور حرب اموی دراصل ایک دوسرے کے ندیم وشریک تجارت بن جانے کے سبب ساتھ ساتھ شام ویمن کے تجارتی کاروانوں میں جایا کرتے تھے۔ حرب بن امیہ اموی کے بعد ندیمی اور شرکت تجارت اور دوستی کا رشتہ ابوسفیان بن حرب اموی کو اپنے باپ سے وراثت میں ملا، جیسا کہ عرب دستور تھا اور ابوسفیان اموی والد ماجد کے بعد امیہ ثقفی کے ساتھ تجارتِ شام ویمن وغیرہ پر ان کے ساتھ جانے لگے۔ یہ دونسلوں کی تجارتی شراکت تھی۔ (۸)

مکی اور مدنی ادوار میں ثقفی وقریشی تجارت

سریہ نخلہ ۲ھ/۶۲۴ء اور تجارتِ ثقیف وقریش

مدنی دورِ سعادت کے بالکل آغاز میں ابتدائی مہماتِ نبوی کا آغاز ہوا، جن کا واحد مقصد قرب وجوار کے عرب قبائل سے صلح اور دوستی کا معاہدہ کرنا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ ضمناً وہ مہمات قریشِ مکہ کے عزائم کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ کیوں کہ مدینہ منورہ میں اسلام کی ابھرتی ہوئی سماجی اور سیاسی طاقت کا سب سے بڑا مظہر مدینہ کی ریاست تھی جو قریش کو ٹھنڈے پیٹوں ہضم نہیں ہوسکتی تھیں۔ وہ اس کے خلاف روزِ ہجرت سے سازشیں کرتے رہے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ بھی ان کے عزائم سے آگاہ تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے ان اصلی دشمنوں کے منصوبوں سے آگاہی کے لئے بھی بعض مہمات ترتیب دی تھیں جن میں سے ایک سریہ نخلہ تھی۔ وہ حضرت عبداللہ بن جحش اسدی خزیمیؓ کی قیادت میں نخلہ کے مقام پر بھیجی گئی تھی، تاکہ قریش کے ارادوں سے آگاہی حاصل کریں۔ اسی ضمن میں اس سریہ نبوی کا بلا ارادہ تصادم ایک قریشی کارواں سے ہوگیا، جو قریش اور ثقیفِ طائف کے تجارتی تعلقات بتاتا ہے۔ تجارت کے نقطۂ نظر سے اس سریہ نبوی کی تفصیلات بہ شکل نکات درج ذیل ہیں:

قریشی کاروانِ تجارت از طائف

متعدد مصادر وماخذ میں صراحت ہے کہ وہ قریش کے بعض خاندانوں کا تجارتی کارواں تھا۔ بعض کے مطابق وہ بنومغیرہ/ بنومخزوم کا تجارتی کارواں تھا اور اس کے ارکان تھے: عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی، اس کا بھائی نوفل مخزومی، ہشام بن مغیرہ مخزومی کا ایک مولیٰ حکم بن کیسان اور عمرو بن الحضرمی۔ یہ کل چار ارکانِ کاروان تھے۔ ان کی قبائلی نسبت میں ابن الحضرمی کو ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ نے عتبہ بن ربیعہ عبشمی کا حلیف بتایا، جس کی دیت عتبہ نے غزوہ بدر کے موقع پر ادا کرنی چاہی تھی مگر شبلی کے مطابق عمرو بن الحضرمی اموی شیخ حرب بن امیہ اور ان کے فرزند ابوسفیان بن حرب اموی کا حلیف تھا۔ حکم بن کیسان مشہور فرعونِ امت ابوجہل مخزومی کے والد، جس کا اصل نام ہشام بن مغیرہ تھا، کے مولیٰ تھے، باقی دو ارکان عثمان اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مشہور سردار ولید بن مغیرہ مخزومی کے بھتیجے تھے اور مشہور صحابی حضرت خالدؓ بن ولید بن مغیرہ مخزومی کے عم زاد بھائی۔ یہ اصلاً بنوالمغیرہ کا کارواں تھا، جن کے تجارتی روابط ثقیف سے بہت گہرے تھے اور اس کے علاوہ ان کے سماجی، معاشرتی اور اقتصادی روابط بھی تھے۔ (۹)

عمرو بن الحضرمی کے قتل کو مولانا شبلی نے غزوہ بدر کا اصل محرک بتایا ہے۔(۱۰)۔عمرو بن الحضرمی کا نام ونسب تھا: عمرو بن عبداللہ بن عمار بن اکبر بن ربیعہ بن مالک حجرمی جو حضرموت کے باسی تھے۔ان کے بھائی حضرت علاء بن الحضرمی اسلام لے آئے تھے۔(۱۱)۔

تجارتی کارواں کی طائف سے واپسی

قریش بالخصوص بنوالمغیرہ/مخزوم کا یہ چارنفری تجارتی کارواں طائف سے وہاں کا مشہور سامانِ تجارت لے کر مکہ مکرمہ آرہا تھا۔واقدی،ابن سعد اور متعدد دوسرے سیرت نگاروں نے صراحت کی ہے کہ قریشی کارواں طائف سے واپس آرہا تھا۔جدید اہل سیر میں سے بیشتر نے اس کو نہ جانے کیسے شام سے واپس آنے والا تجارتی کارواں قرار دیا ہے۔مولانا شبلیؒ اس بیان کے بانی اول ہیں،جن کا بیان ہے کہ ''اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لئے آتے تھے سامنے سے نکلے''مولانا کاندھلوی نے شبلی سے یہ غلطی نقل میں پائی ہے کہ''قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس آرہا تھا''۔(۱۲)

سامانِ تجارت

مختلف مآخذ کے مطابق اس مخزومی/ بنوالمغیرہ کے کاروانِ تجارت میں حسب ذیل سامانِ تجارت شامل تھا: ۱۔کشمش (زبیب)،۲۔کھالیں (ادم)،۳۔شراب (خمر) اور ۴۔کچھ دوسرا سامانِ تجارت (تجارۃ من تجارۃ قریش)۔یہ سب سامانِ تجارت بالعموم قریش مکہ طائف وثقیف سے منگواتے تھے اور وہ موخرالذکر کی سب سے بڑی برآمدات میں تھے۔(۱۳)

مقام سریہ: نخلہ

سریہ حضرت عبداللہ بن جحش کا مقام ومنزل نخلہ تھا جو تاریخ اسلامی اور سیرت نبوی میں بہت مشہور ہے۔اس کی مذہبی اہمیت بھی تھی اور اقتصادی وتجارتی اور زرعی حیثیت بھی۔مختلف مآخذ سے ان کا جو سراغ ملتا ہے وہ حسب ذیل ہے:

نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان مشرقی راہِ تجارت پر واقع تھا۔وہ مکہ سے ایک شبانہ روز کے فاصلے پر تھا۔

وہ بنوسُلیم کے علاقے کا ایک مذہبی مرکز تھا جہاں واقدی کے بہ قول عزیٰ کا بت اور اس کا مندر تھا اور جس کی تولیت بنوسلیم کے خاندان بنوشیبان کے ہاتھوں میں تھی۔

یاقوت حموی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابن عامر کا باغ (بستان بنی عامر) وادی نخلہ کے زیریں علاقے میں

تھا اور شہر نخلہ سے اس کا فاصلہ ایک رات کے سفر کا تھا، جب کہ نخلہ اور مکہ کے درمیان دو راتوں کی مسافت تھی۔ باغِ ابن عامر طائف اور مکہ کے بالکل بیچ میں واقع تھا اور وہاں تجارتی کارواں ٹھہراتے تھے۔ (۱۴)

قریشی کاروانِ تجارت پر مسلم تاخت

سریہ نخلہ کا اصل مقصد تو قریشی عزائم کا پتہ لگانا تھا لیکن حالات کے جبر نے مسلم سریہ کے امیر کو اس پر حملہ کرنے پر مجبور کر دیا ورنہ ان کی جان خود خطرے میں پڑ جاتی۔ مسلم سریے کے ایک رکن حضرت واقدؓ بن عبداللہ تمیمی نے تیر چلا کر عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ مخزومی اور حکم بن کیسان قید ہو گئے اور نوفل بن عبداللہ مخزومی مسلمانوں کے چنگل سے بچ کر نکل گیا اور سامانِ تجارت پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ دونوں قیدیوں اور سامان تجارت (غنیمت کے ساتھ مسلمان) مجاہدین مدینہ منورہ پہنچے۔ مآخذ میں اس کے علاوہ دوسرے امور سے بحث ہے اور ان سے جدید سیرت نگاروں خصوصاً مستشرقین نے خاص دل چسپی لی ہے اور اسے افسانہ بنا دیا ہے لیکن یہاں ان سے بحث نہیں ہے۔ (۱۵)

اس سریے اور واقعے سے تجارتِ قریش وثقیف کے بارے میں بہ ہر حال قیمتی معلومات ملتی ہیں۔ بنوالمغیرہ کا ثقیف سے خاص تجارتی تعلق تھا اور ان کے کاروانِ تجارت طائف سے سامانِ تجارت، جو خاص برآمدی اشیائے طائف پر مشتمل ہوتا تھا، لاتے تھے۔ اسی طرح قریشی کاروانِ تجارت جب مکہ سے طائف جاتے تھے تو اپنا سامان تجارت، جو ثقیف وطائف میں بہت مقبول تھا لے جاتے تھے۔ عہد وسطیٰ ہی میں نہیں بل کہ ہر زمانے میں تجارتی کاروانوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے مرکز و وطن اور منڈی سے خاص سامانِ تجارت ساتھ لے جاتے تھے اور راستے میں پڑنے والے مراکز اور منڈیوں سے بھی ان کی برآمدی اشیا لے کر جایا کرتے تھے اور واپسی پر وہ اپنے اصلی مقامِ تجارت کا سامان اور اشیا اپنے وطن کے لئے لاتے تھے۔ شامی اور یمنی تجارتوں اور کاروانوں کی تفصیل سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

مدینہ منوہ اور ثقیف کے تجارتی تعلقات

قریشی مہاجرینِ مکہ نے جاہلی اور مکی ادوار میں جس طرح ثقیفِ طائف سے تجارتی تعلقات قائم کر رکھے تھے اسی طرح وہ مدنی دور میں بھی جاری رہے۔ اس کا قوی امکان ہے کہ قریشی اکابر کے علاوہ دوسرے مسلم تاجرانِ مدینہ نے بھی جاہلی دور سے ثقیف وطائف سے تجارتی روابط استوار رکھے ہوں۔ تاجروں کی ایک خاص منڈی دیارِ ثقیف میں بھی واقع تھی جس کی بعض زرعی مصنوعات اور برآمدی اشیا دوسروں کی طرح مدنی تاجروں کو بھی کھنچتی تھیں۔ اسی طرح ثقفی تاجروں کے لئے مدینہ منوہ کی منڈی تو تھی

ہی، ان کی شامی تجارت کا راستہ بھی اسی سے گذر کر جاتا تھا۔ ان اسباب سے مدنی تجارت سے ثقفی وابستگی ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے مقالہ ثقیف میں صرف ایک اشارہ دیا ہے کہ ''صلح نامہ حدیبیہ میں مدینے اور طائف کی تجارت کا بھی ذکر ہے''۔

ثقیف وطائف کے مدینہ منورہ سے تجارتی تعلقات یا اس کے راستے سے شام کی تجارت کے لئے جانے کی روایات بھی ملتی ہیں۔ بالعموم ان کا ذکر یا حوالہ اشخاص وعبقریات کی تجارتی سرگرمیوں کے حوالے سے ملتا ہے جو ان کی دیارِ شام سے وابستہ تھیں۔ مشہور شاعر امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے بارے میں یہ ذکر آتا ہے کہ وہ تجارتی سرگرمیوں کے لئے شام جایا کرتے تھے تو وہاں کے یہود ونصاریٰ سے ملا کرتے تھے اور ان کے دینی اور مذہبی افکار سے بحث ومباحثے کے بعد متاثر ہوتے تھے۔ یہ اسفار مدینے کے راستے ہی ہوتے تھے۔

امیہ بن ابی الصلت ثقفی اور ان کے دو اموی شرکائے تجارت حرب بن امیہ اور ابوسفیان بن حرب اموی نے مدتوں تک ایک دوسرے کی شراکت میں شام اور اس کے تجارتی مراکز کے علاوہ ایلیا وغیرہ سے تجارت کی تھی۔ ان تمام اسفار کا راستہ مدینہ منورہ سے ہی گذرتا تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ مدینے کی تجارت سے بالکل الگ تھلگ رہتے اور اس کے بازاروں میں تجارت نہ کرتے اور ان کے خاص سامانِ تجارت کھجور وغیرہ کو بلادِ شام وبیت المقدس وغیرہ نہ لے جاتے۔

دوسرے ثقفی تاجروں کی تجارتِ مدینہ کا ذکر بالکل نہیں ملتا اور تجارت شام ویمن وغیرہ سے متعلق بھی ان کی روایات مفقود ہیں لیکن ان سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ ثقفی تجار وسوداگر مدینے کی تجارت سے قطعی دست کش ہوگئے تھے۔

اصنامِ عرب/ثقیف کے بازار

جاہلی عرب میں مختلف اصنامِ قبائل کے مندروں/بیوت کے قریب بازار بن جاتے تھے جہاں عام دکان دار اور مقامی سوداگر مختلف چیزیں بیچا اور خریدا کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر وہ اشیا ہوتی تھیں جن کی زائروں اور پوجا کرنے والوں کو اپنی جسمانی اور روحانی معاملات کے لئے ضرورت ہوتی تھی۔ اپنے کھانے پینے کے لئے جسمانی اور دیوی دیوتاؤں پر چڑھانے کے لئے مذہبی اور روحانی ضروریات تھیں۔ مختلف قدیم وجدید تذکرہ نگاروں اور محققوں نے ان بازار/اسواقِ اصنام اور ان کے دکان داروں اور سوداگروں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر جواد علی کی تحقیقات مختلف ماخذ ومصادر پر مبنی ہیں۔ خاص ثقیف کے اصنام کے بازاروں اور ان کی تجارت سے متعلق بعض روایات نقل کی جاتی ہیں:

قریشِ مکہ اور ثقیفِ طائف کے انتہائی مقدس ومحبوب بت کدے ''اللات'' کا اصلی مقام ایک چٹان ''صخرہ'' تھی جس پر ثقیف نے خانہ کعبہ کی طرح عمارت تعمیر کردی تھی اور اسی کے سارے مراسم بھی اختیار کر لئے تھے۔ یہ اصلاً قریشِ مکہ سے مذہبی مراسمِ شرکت کا لین دین تھا۔ اصل چٹان کے بارے میں مختلف روایات میں ایک یہ ہے کہ اول زمانے میں اس پر ایک شخص حجاج کے لئے بیٹھ کر گھی (السمن) اور دودھ (لبن) بیچا کرتا تھا۔ دوسری روایت لات کے تسمیے کے بارے میں ہے کہ بنوخزاعہ کا جدامجد عمرو بن لحی اس چٹان پر بیٹھ کر حاجیوں کے لئے ستو کا شربت بنایا کرتا تھا۔ ایک روایت میں ستو کو پانی میں گھولنے یا تر کرنے کا شرف ایک یہودی کو دیا گیا ہے۔ (۱۶)

ثقفی سوداگری

بڑے تجارتی خاندانوں اور بین الاقوامی اور ملکی تاجروں کے علاوہ تمام دوسرے شہری تجارتی افراد و طبقات بالخصوص قریش کی مانند ثقیف میں بھی چھوٹے چھوٹے تاجر اور تاجرات ہوتی تھیں۔ جاہلی عرب اور نبوی معاشرے میں یہ تجارتی رسم مسلسل قائم رہی کہ مردوں کے دوش بہ دوش عورتیں بھی تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔ آپ چھوٹے تاجروں اور مقامی تجارتی خاتونوں کا ذکر ان کے انفرادی خاکوں اور سوانحی تذکروں ہی میں ملتا ہے۔ اسی میں ان کے تجارتی سودوں کا اور بسا اوقات ان کی منڈیوں کا بھی ذکر مل جاتا ہے۔ ان کی بنا پر ثقفی سوداگری کا ایک اندازہ کیا جاسکتا ہے اور اس پر ایک مختصر مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔ ذیل میں چند افراد کے تجارتی مشغلوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت مُلیکہ ثقفی مشہور صحابی حضرت سائبؓ بن اقرع ثقفی کی ماں تھیں۔ وہ اپنے فرزند کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں۔ ان سے رسولِ اکرم ﷺ نے پوچھا: کیا تم کو کوئی ضرورت ہے؟ انھوں نے عرض کیا: مجھے کوئی ضرورت نہیں، البتہ میرے فرزند کے لئے ضرور دعا کیجئے۔ وہ عطر بیچا کرتی تھیں:

انها کانت تبیع العطر (۱۷)

حضرت قارب بن اسود ثقفیؓ حضرت عمر فاروقؓ کے دوست تھے اور تاجر بھی۔ روایت ہے کہ ایک باندی کی خرید میں انھوں نے قیمت میں کمی دوستی کی خاطر کردی تھی۔ ان کے فرزند حضرت عبداللہؓ بن قارب ثقفی اپنی کنیت ابو وہب ثقفی سے زیادہ معروف ہیں اور صحابی ہیں۔ (۱۸) انھوں نے اپنے والد جو مشرک مرے تھے اور حضرت ابوالملیحؓ نے اپنے مسلم والد ماجد حضرت عروہؓ بن مسعود ثقفی کی طرف سے مرحوموں پر واجب قرض کی رقم ادا کی تھی کہ مسلمان کے ساتھ صلہ رحمی تو تھی ہی لیکن مشرک والد کے ساتھ

بھی حسن سلوک تھا اور بہ قول حضرت قارب ؓ وہ قرض بہ ہر حال ان پر وراثت میں واجب ہوا تھا۔ یہ قرض حضرت ابوسفیان ؓ اموی نے ان کی طرف سے صنم کدہ کے مال سے ادا کیا تھا۔ (۱۹)

ثقیفِ طائف سے قریشی اکابر کا سودی کاروبار

جاہلی عرب کے تمام مال دار خاص کر مال دار تاجر سودی کاروبار کرتے تھے۔ وہ دونوں قسم کا تھا: تجارتی سود جو دولت مند تاجر ضرورت مند کاروباریوں کو مال دے کر حاصل کرتے تھے۔ ایک متعینہ مدت کے لئے ایک متعین رقم دیتے اور اس پر بڑھی ہوئی شرح سے سود لیتے تھے۔ دوسرا مہاجنی سود تھا جو دولت مند لوگ نادار و مفلس اور حاجت مندوں سے ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے ضمن میں اپنے قرضوں پر حاصل کرتے تھے۔ سود کی شرح بالعموم پچاس فیصد سالانہ ہوتی تھی اور بسا اوقات وہ اس سے متجاوز ہوکر سو فیصد تک بھی پہنچ جاتی تھی۔ متعینہ مدت تک ادائی نہ کرنے کی صورت میں قرض خواہ صاحبِ مال مدت میں اضافہ کردیتا تھا جو ایک سال یا اس کے کسی حصے کا ہوتا تھا۔ اس صورت میں پہلے سال یا اولین مدت میں واجب سود کو اصل مال میں جوڑ دیا جاتا تھا اور دونوں مل کر راس المال بن جاتے تھے۔ اضافہ شدہ مدت میں اس بڑھے ہوئے راس المال/قرض یا رقم پر سود سابقہ شرحوں کے ساتھ قرض دار سے وصول کیا جاتا تھا۔ مثلاً ایک سال کی مدت کے لئے، سو دینار/درہم قرض دیے گئے اور پچاس فیصد مقرر کیا گیا تو ایک سال بعد قرض دار ڈیڑھ سو دینار/درہم ادا کرتا، اور اگر نہ ادا کرسکا اور ایک سال کی مدتِ ادائی بڑھادی گئی تو اب اصل مال ڈیڑھ سو دینار و درہم ہوجاتا تھا اور اس پر پچاس فیصد سود پچھتر دینار/درہم بن جاتا تھا اور قرض دار کو کل رقم سوا دو سو دینار درہم ادا کرنے پڑتے تھے۔ اسی کو قرآن مجید نے اضعافا مضاعفۃ (چند در چند) سود کہا ہے اور اس کی ممانعت کی ہے۔ جدید اصطلاح میں وہ سود مرکب کہلاتا ہے۔ سود مرکب خواہ تجارتی ہوتا یا مہاجنی بالعموم قرض دار کو اپنے شکنجہ میں اس طرح جکڑ لیتا تھا کہ وہ اس سے کبھی چھٹکارا نہیں پاسکتا تھا۔ (۲۰)

سودی کاروبار تجارتِ مال کی ایک سہل، منافع بخش اور ہمہ گیر قسم بن گئی تھی اور وہ تمام طبقات میں عام بھی تھی۔ بالعموم یہودی قبائل، طبقات اور افراد اس کے لئے ذمے دار قرار دیے جاتے ہیں کہ ان کی فطرت میں سود و ربوا خون کی طرح سرایت کرگیا ہے۔ مگر عرب قبائل کے دولت مند افراد و طبقات بالخصوص تجار اور نصاریٰ اور عیسائیوں کے افراد و طبقات بھی اس سے بالکل مبرا نہ تھے۔ سود و ربا نے ان کی معیشت و تجارت اور صنعت و زراعت بل کہ اجرت یعنی ہر قسم کے ذریعہ آمدنی اور مشغلہ حیات کو جکڑ لیا تھا۔ اسی لئے

سود/ربوا کو دنیا کا دوسرا اقدیم ترین اور حرام ترین کاروبار قرار دیا جاتا ہے جو معیشت کا سرطان ہے۔(۲۱)

طائف میں سب سے زیادہ آبادی عرب قبیلہ ثقیف کی تھی جو بنو ہوازن کے بزرگ تر خاندان کی سب سے بڑی شاخ تھی۔ بلاذری کے مطابق ''آبادی کا ایک حصہ کثیر تعداد پر مشتمل یہودیوں کا بھی تھا جو یمن اور یثرب سے نکال دیے جانے کے بعد طائف میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں مستقل مقیم ہوگئے تھے غالبًا ان دونوں کا سب سے بڑا کاروبار ''ربا'' (سودی لین دین) تھا۔ آبادی کے بعض طبقوں کا واحد کاروبار ہی یہ تھا۔ طائف کے سودی کاروبار کرنے والے صرف اپنے شہر کے لوگوں سے ہی سود کا لین دین نہ رکھتے تھے بل کہ مکے والوں کو بھی، جو بنیادی طور پر تاجر تھے، سود پر روپیہ فراہم کرتے تھے، یہ سود روپیہ اور سامان دونوں صورتوں میں وصول کیا جاتا تھا۔ بنو مغیرہ جو مکے کے قریشیوں کی ایک شاخ تھے، ان کے مستقل گاہک تھے۔(۲۲)

مذکورہ بالا مصنف نے مزید لکھا ہے کہ ''قریش نے اس سودی کاروبار کو بہت اونچے معیار پر ترقی دی تھی۔ وہ صرف اپنے قبیلے والوں کو ہی نہیں حجاز کے دوسرے شہروں کے باشندوں کو بھی سودی قرضے دیتے تھے۔ سود کی حرمت سے پہلے حضرت عباسؓ بن عبد المطلب اور خالدؓ بن ولید نے باہم مشترکہ سرمائے سے ایک کمپنی سی قائم کر رکھی تھی جس کا خاص کاروبار سود پر روپیہ چلانا تھا۔ ان حضرات کا کاروبار مکے تک محدود نہ تھا۔ طائف کے باشندوں کو وہ مستقل قرضے دیا کرتے تھے خاص کر بنو عمرو بن عمیر کو جو قبیلہ بنو عوف کی ایک شاخ تھے۔ حضرت عثمانؓ بھی ان مال دار تاجروں میں سے تھے جو زبردست پیمانے پر سودی کاروبار کرتے تھے۔ بدر کے تجارتی کارواں کے منتظمین خصوصی وہ لکھ پتی تھے جنھوں نے کارواں میں ہزاروں دینار کی تجارت میں لگانے کے علاوہ اپنا سرمایہ مختلف سودی کاروبار میں پھیلا رکھا تھا......''(۲۳)

مصنف موصوف نے مزید لکھا ہے کہ ''ایک طرف تو یہ معزز تجارت پیشہ قبیلہ (بنو مغیرہ) ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر بن عوف سے مستقل قرض لیا کرتا تھا، دوسری طرف بنو مغیرہ کے سرمایہ دار جنھوں نے سودی کاروبار کے لئے مشترکہ کمپنیاں تک قائم کر رکھی تھی اور ان کے علاوہ قریش کے دوسرے قبائل بھی انھیں بنو عوف کو مستقل قرضے بھی دیا کرتے تھے جو خود قریش کو قرضے دیا کرتے تھے اور جن کا اصل کاروبار سودی لین دین تھا''۔(۲۴) طبری کی دو روایات نقل کی ہیں:

۱۔ کانت بنو عمرو بن عمیر بن عوف الربامن بنی المغیرۃ، وکانت بنو المغیرۃ یربون لھم فی الجاھلیۃ فجاء الاسلام وھم علیھم مال کثیر

۲۔روی ابن جریر......ان الأیتین نزلتا فی العباس ورجل من بنی المغیرۃ کانا شریکین فی الجاھلیۃ سلفا الی اناس من بنی ثقیف من بنی عمرو و ھم بنو

عمرو بن عمیر، فجاء الاسلام ولهما اموال عظیم فی الربا

تجارتی سود کے مصنف گرامی نے اس باب میں یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ بنوالمغیرۃ کے شخص سے مراد کون صاحب ہیں۔ وہ دراصل حضرت خالدؓ بن ولید مخزومی کے والد ماجد ولید بن مغیرہ مخزومی تھے جو شیخِ قریش کے علاوہ ایک بڑے کام یاب تاجر تھے۔ سیرتی مآخذ میں اس کی مزید وضاحت آتی ہے کہ ان کے بہت سے اموالِ ربا/ قرض سودی بنوثقیف پر واجب تھے اور انھوں نے اپنے تینوں فرزندوں کو جو وصایا اپنی وفات کے وقت کی تھیں ان میں سے ایک کا تعلق سود وربا کی وصول یابی سے تھا۔ انھوں نے فرزندوں سے کہا تھا کہ ثقیف کو ہرگز نہ چھوڑنا تا آں کہ ان سے تمام سودی قرضے وصول کر لینا اور ان کے فرزندوں نے اس پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ (۲۵)

دوسرے مصادر اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ دراصل یہ سودی کاروبار حضرت عباس ہاشمیؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کے آبائے گرامی سے ترکے وو راثت میں ملا تھا کیوں کہ قریش کے شیوخ عبدالمطلب ہاشمی اور ولید بن مغیرہ مخزمی دونوں تجارتی سودی کاروبار میں کافی شہرت اور تجارِ قریش کے درمیان بڑی مرتبت رکھتے تھے۔ وہ تجارتی سودی کاروبار کے بڑے سوداگر تھے۔ ان دونوں کے موروثی سودی کاروبار کا سلسلہ ثقیف کے اسلام قبول کرنے کے وقت تک جاری رہا جو رمضان ۹ھ/ جنوری ۶۳۱ء کا واقعہ ہے۔ مختلف مصادر میں آتا ہے کہ حضرات خالدؓ بن ولید اور عباسؓ بن عبدالمطلب نے اپنے اموالِ ربا یا سودی قرضے ثقیف سے وصول کرنے چاہے تھے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو باطل کر دیا اور صرف راس المال لینے کی اجازت دی اور سودی رقوم ان کے لئے ممنوع قرار دیں۔

اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ سے ثقفی روابط کی بحث میں ثقیفِ طائف کے سودی کاروبار کا ذکر بھی آتا ہے۔ رمضان ۹ھ/ جنوری ۶۳۱ء میں جب وفدِ ثقیف کے اکابر نے اسلام قبول کرنے اور رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت کرنے کے لئے ایک معاہدے پر بات چیت کی تو انھوں نے بعض شرائط بھی رکھیں۔ ان میں سے ایک شرط سودی کاروبار کے جاری رہنے سے متعلق تھی۔ ارکانِ وفد کا اصرار تھا کہ ہمارا بیشتر کاروبار یا تجارت سودی لین دین پر مبنی ہے لہٰذا ہم کو اسے جاری رکھنے کی اجازت دی جائے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے متعدد دوسری شرائط کی طرح اس شرط کو بھی ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ اسلام میں حرام بل کہ عین حرام ہے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ معاہدۂ صلح اور قبولِ اسلام کی ایک شرط یہ تھی کہ وہ سودی کاروبار نہیں کریں گے: **واشترط علیهم ان لا یرابوا**۔ تفسیر طبری اور اس کے خوشہ چیں تفاسیر ومفسرین کا بیان ہے کہ ثقیف نے رسولِ اکرم ﷺ سے اس شرط پر مصالحت کی تھی کہ ان کا جو سودی مال لوگوں کی طرف واجب

ہے یا ان پر دوسرے لوگوں کا سود واجب وہ سب کا سب یعنی طرفین کا کالعدم ہے:

کانت ثقیف قد صالحت النبی ﷺ علی ان مالھم من ربا علی الناس وماکان للناس علیھم فھو موضوع (۲۶)

وذروا ما بقی من الربوا الخ (۲۷) کی شانِ نزول میں مفسرین کرام نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ ان کا نزول حبیب بن عمرو بن عمیر ثقفی اور ان کے دو برادروں مسعود وعبد یالیل، جو سادات ثقیف میں سے تھے اور بنوالمغیرہ / بنومخزوم کے کاروباری شریک تھے، کے بارے میں ہوا تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے متعدد اماماں تفسیر جیسے زید بن اسلم، ابن جریج، مقاتل بن حیان اور سدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کا نزول بنوعمرو بن عمیر/ثقیف اور بنوالمغیرہ/مخزوم کے جاہلی ربا کے بارے میں ہوا تھا۔ بنوالمغیرہ سے ثقیف نے جب جاہلی ربا طلب کیا تو انھوں نے اسلام میں اسے ادا کرنے سے انکار کردیا کہ اسلامی کسب میں ربا شامل نہ تھا۔ یہ سارا معاملہ گورنرِ مکہ حضرت عتاب بن اسید امویؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کو لکھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ثقیف کے سادات وعوام نے بھی اسلام میں ربا سے توبہ کرلی۔ (۲۸)

طائف کے بنوثقیف اور دوسرے قبائل سے قریشی تجارت کا ایک بڑا معاملہ سودی کاروبار یا سودی قرضوں کا ہے۔ اس پر ایک مختصر اور جامع بحث الگ عنوان سے آرہی ہے۔ تجارتی نقطہ نظر سے اس کے اہم ترین نکات کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

ثقیف کے تاجروں کا غالباً سب سے بڑا کاروبار تجارتی سود پر قرضے فراہم کرنا تھا۔ وہ ان سے بہت نفع کماتے تھے۔ سودی کاروبارِ تجارت میں ایک اہم جہت یہ تھی کہ ان کا مالِ تجارت (Merchandise) پوری طرح محفوظ اور مستحکم رہتا تھا۔ دوسری اشیائے تجارت میں کوئی نہ کوئی چیز کسی نہ کسی مقدار میں خریدار کے حوالے کرنی پڑتی تھی، جس کے عوض ان کو کچھ زیادہ رقم ملتی تھی۔ تجارتی سود میں گرہ سے کچھ نہیں دینا پڑتا تھا اور قرض دار سے اضافی رقم مع اصل مال کے ایک مدتِ متعینہ کے بعد وصول ہوجاتی تھی اور ان کا مال بڑھتا جاتا تھا۔ اس تجارت میں دوسری جہت یہ بھی اہم تھی کہ ان کو کسی قسم کی محنت بھی نہیں کرنی پڑتی تھی اور گھر بیٹھے بیٹھے ان کا مال دوگنا، چوگنا اور ان سے زیادہ ہوتا جاتا تھا اور ان کے تجارتی سود کا دائرہ بڑھتا جاتا تھا۔ ثقفی تاجر اور سودخور مال دار قریشی تاجروں اور دوسرے لوگوں کو تجارتی سود فراہم کرتے تھے۔

قریش کے سودخور تجار بھی اسی طرح ثقفی تاجروں، زرعی فارم کے مالکوں اور بطون کے شیوخ کو قرضے فراہم کرتے تھے۔ قریشی اور ثقفی تاجروں کی اس باہمی، ملک گیر اور بین القبائلی تجارت کا دائرہ بہت وسیع، انتہائی موثر اور خوب پیداواری تھا۔ بنومغیرہ/ بنومخزوم کے ایک خاص خاندان کا ثقیف کے

شیوخ اور ان کے خاندان خاص کر بنو عمرو بن عوف سے باہمی سودی لین دین تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے سودی تجارت کرتے تھے۔ ثقفی سود خور تاجروں کے نمائندے مکے میں قریش کے درمیان موجود و کارگذار تھے اور قریشی سودی تجارت کرنے والوں کی سرمایہ کاری کی کمپنیاں طائف، ثقیف اور ان کے دیار کے دوسرے قبائل میں سرگرداں تھیں۔

عرب جاہلی میں ثقیف اور قریش دونوں کے سودی کاروبار کے بڑے بڑے لوگ بہت دولت کماتے رہے تھے۔ ان کے اسلام سے عناد اور رسولِ اکرم ﷺ سے مخالفت کی ایک بڑی وجہ سودی کاروبار پر اسلامی قدغن بھی تھی کہ وہ اسے یک سر حرام قرار دے کر بند کر دیتی ہے۔ مکے کے بڑے تاجروں اور ثقیف کے تمام تاجروں نے اسلام قبول کرنے میں اسی وجہ سے بہت دیر لگائی۔ پورے مکی دور کے تیرہ سالہ زمانے میں اور مدنی عہد کے اولین نو برسوں تک ثقیف نے سودی کاروبار جاری رکھا اور جب اسلام قبول کیا تو بھی اپنے سودی کاروبار جاری رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہی وجہ اور یہی تدبیر قریشی سودی تاجروں کی بھی رہی تھی۔

قریشی ثقفی تجارت کے بعض مباحث

سیرت و تاریخ اور سوانح و تراجم وغیرہ کی کتابوں میں عرب تجارت بالخصوص قریشی ثقفی تجارت پر مواد بہت کم ملتا ہے اور جو مواد ملتا ہے وہ منتشر اور پراگندہ روایات کی شکل میں ملتا ہے، اور بالعموم سوانحی خاکوں میں یا سیرت نبوی کے حوالے سے آتا ہے۔ ان روایات اور حوالوں کی بنا پر عرب تجارت، عہدِ نبوی کی تجارت اور قریش وثقیف کی باہمی یا مشترکہ تجارت پر ایک مرتکز بیان پیش کرنا مشکل ہے، تاہم ان ہی روایات کی بنا پر کم از کم اس بحثِ تحقیق میں قریش وثقیف کی مشترکہ تجارت کی ایک صورت گری تاریخی طور سے کی جاسکتی ہے۔ یہ تجزیاتی صورت گری اپنے اصول و مبادی میں بالکل صحیح ہے اور دوسری روایات مل جانے پر اس کی مزید صحت و سند قائم ہوسکتی ہے۔

زمانہ تجارتِ باہمی

قریشِ مکہ اور ثقیفِ طائف کے درمیان تجارتِ باہمی ہو یا دونوں قبیلوں کے تاجروں کی مشترکہ تجارت اس کا زمانہ قطعی طور سے یوں متعین کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کی سورۂ ایلاف اور دوسری آیاتِ کریمہ کے مطابق قریش کی تجارت ان کے قریش بننے کے ساتھ ہی شروع ہوئی اور کعبۃ اللہ کی تعمیر ابراہیمی کے بعد ہی وہ برابر پروان چڑھتی رہی اور عہدِ نبوی تک وہ ایک واقعہ تھی۔ رحلۃ الشتاء

والصیف سے مفسرین کرام کی مراد صرف شام ویمن کی تجارت ہی نہیں ہوسکتی کہ وہ دو موسموں گرما و سرما کی تجارت ہے، اور اس میں اطراف وجوانب عرب کی تجارت اور عرب اسواق ومراکز کی تجارت بھی از خود شامل ہے کہ آیتِ کریمہ کا یہی تقاضا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رزق وثمرات کی فراہمی کی دعا کا یہ اطلاق گذر چکا کہ طائف ودیارِ ثقیف سے ''ہر طرح کے ثمرات'' مکے آتے تھے۔ ظاہر ہے کہ قریشِ مکہ اپنے قریبی شہر، حلیف قبیلے اور رشتہ دار عربوں کے ساتھ تجارت کرتے تھے اور یہ باہمی تجارت قدیم زمانے سے تھی۔ لہٰذا چند روایات کی بنا پر قریشِ مکہ وثقیفِ طائف کی باہمی اور مشترکہ تجارت کے زمانے وغیرہ کو ان کے زمانے تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ سیرت وسوانح اور دوسرے موضوعات کی کتابوں سے یہ بہ ہر حال ثابت ہوتا ہے کہ عرب قوم شروع سے سکہ بند تاجر قوم رہی ہے اور مدتوں سے بل کہ صدیوں سے ان کی قومی، ملک گیر تجارت کے ساتھ ساتھ ان کی بین الاقوامی تجارت کے واقعات ملتے ہیں۔ (۲۹)

قریشی ثقفی باہمی تجارت

عام روایاتِ تجارت کے علاوہ مذکورہ بالا واقعاتِ تجارت خاص کر حرب بن امیہ اموی اور امیہ بن ابی الصلت ثقفی کی ندیمی اور شراکت اور حرب بن امیہ اموی کے بعد ان کے فرزند ابوسفیان بن حرب اموی کے ساتھ امیہ ثقفی کی شراکت وندیمی کے واقعات اور سریہ نخلہ کے ضمن میں قریش کے خاندان بنو المغیرہ/ بنو مخزوم اور ثقیفِ طائف کے درمیان تجارت کی روایات یہ ثابت کرتی ہیں کہ ان دونوں پڑوسی شہروں اور قبیلوں کے درمیان مشترکہ باہمی تجارت برابر ہر زمانے میں تسلسل کے ساتھ جاری ساری رہی، کیوں کہ دونوں کے تجارتی مفادات اس سے وابستہ تھے، ان کی معاشی خوش حالی کا اسی پر انحصار تھا اور ان کی سماجی زندگی بھی اسی سے متعلق تھی بل کہ کہا جاسکتا ہے کہ قریشِ مکہ کی فوری غذائی ضروریات کی فراہمی طائف ودیارِ ثقیف پر منحصر تھی اور اس طرح ان کی زندگی ان ہی پر قائم تھی۔ دوسرے کاروانِ تجارت اور حج وعمرہ اور زیارت کے ساتھ آنے والے تجار وغیرہ کی سامان رسد کی فراہمی وقت کی پابند بھی تھی اور موخر بھی ہوتی تھی جیسے یمامہ سے گیہوں کی فراہمی منقطع ہوگئی تو قریشِ مکہ کی زندگی اجیرن ہوگئی البتہ وہ کچھ عرصے گذار لے گئے کہ مقامی رسد کی فراہمی حاصل تھی۔ (۳۰)

ثقفی قریشی تجارت کے بازار

تمام تاجرانِ عرب کی طرح اور خاص کر قریشِ مکہ کی مانند ثقیفِ طائف کے دو بڑے تجارتی بازار یا میدان تھے۔ ایک مقامی عرب کے بازار جن کو اسواقِ عرب کہا جاتا ہے اور جن کا سلسلہ پورے سال ایک

ہالے کی شکل میں شمال سے جنوب کی طرف چلتا تھا۔ دوسرے بین الاقوامی مراکزِ تجارت جن میں بالعموم یمن وشام کی گرما وسرما کی تجارتی سرگرمی کا ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ بہت مشہور ومعروف ہے۔ ان میں دوسرے مراکزِ تجارت جیسے عراق وایران اور حبشہ وغیرہ بھی شامل تھے اور جن میں قریش کے تاجروں کے علاوہ دوسرے تاجر بھی جایا کرتے تھے۔ عراق کے حکم راں نعمان لخمی، حبشہ کے شاہ نجاشی، روم کے شہنشاہ قیصر، ایران کے فرماں روا کسریٰ وغیرہ کے درباروں میں جانے کی روایات اصلاً تجارتی جولان گاہوں کی تعیین کرتی ہیں۔ عرب اکابر اور شیوخ محض درباداری یا سماجی وسیاسی زیارت کے لئے ان کے درباروں میں نہیں جاتے بل کہ وہ ان کے درباروں میں اور ان کے ملکوں میں کاروبار وتجارت کی اغراض سے جاتے تھے اور ان کے حکم راں وفرماں روا ان عرب تاجروں کو اپنے درباروں میں تجارت وکاروبار کے علاوہ سیاسی، سماجی اور تمدنی مقاصد سے بھی بلاتے تھے اور حالات وواقعات جاننے کے لئے بھی۔ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ اور حضرت ابوسفیان بن حرب امویؓ کے سلاطینِ عراق وشام وحبشہ کے درباروں میں زیارات کے واقعات ملتے ہیں۔ وہ اسی نوعیت کے ہیں۔ خاص کر قیصرِ روم کے دربار میں حضرت ابوسفیانؓ بن حرب اموی کی ان کے کاروانِ تجارت سمیت صلح حدیبیہ کے بعد طلبی کا ذکر بخاری وغیرہ میں بھی ہے۔

ملکی تجارت میں ثقفی قریشی اشتراک

عرب کے مختلف شہروں اور بازاروں میں قریشِ مکہ اور ثقیفِ طائف کے تجارتی اشتراک کے چند اہم مبادیات ہیں:

قریشِ مکہ اور ثقیفِ طائف کے درمیان باہمی اور مشترکہ تجارت مستقل اور مسلسل تھی اور دونوں جاہلی اور اسلامی ادوار کے ہر لمحہ اور ہر زمانے میں برابر قائم رہی، قریشی کاروانِ تجارت اور تاجر برابر طائف ودیارِ ثقیف میں جاتے تھے اور طائف وثقیف کے تاجر اور کاروانِ تجارت برابر بل کہ ہر روز مکہ اور قریش کی منڈیوں میں سامانِ زیست لاتے تھے کہ ان کے بغیر مکی زندگی محال تھی۔ قریش وثقیف کی باہمی تجارت کو محض بنومغیرہ/ بنومخزوم کے کاروان اور امیہ ثقفی اور ابوسفیان اموی کے مشترکہ کاروبار تک محدود نہیں سمجھنا چاہئے۔ وہ اس سے زیادہ وسیع وعریض تھا۔ اس میں بہت سے تاجرانِ قریش وثقیف شامل تھے اور بہت سے قبیلے اور ان کے کاروانِ تجارت بھی۔

مکے اور طائف کے باہر ان دونوں علاقوں اور قبیلوں کے تاجر اور کاروانِ تجارت دوسرے عرب اسواق میں جایا کرتے تھے اور وہاں رہ کر مدتوں تجارت کرتے تھے یا بہت سے تجارتی اسفار جلد از جلد کیا

کرتے تھے جیسے امیہ ثقفی نے بحرین وعمان وغیرہ میں مدتوں قیام کیا تھا۔

بین الاقوامی تجارتِ باہمی

حضرت ابوسفیانؓ بن حرب امویؓ اور ان کے والد حرب بن امیہ اموی کے ساتھ امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے تجارتی اسفار بتاتے ہیں کہ دونوں ندیمان وشریکانِ تجارت شام کی بین الاقوامی منڈیوں اور بازاروں میں تجارت کرتے تھے اور مدتوں وہاں قیام کرتے۔ عرب سامانِ تجارت طائف و مکہ اور دوسرے اسواق ومراکزِ عرب سے ساتھ لے جاتے اور شامی منڈیوں میں ان کو فروخت کرتے اور شامی منڈیوں سے ان کا مخصوص سامانِ تجارت عرب کے بازاروں خاص کر مکہ اور طائف کے لئے لاتے تھے جن کی مانگ وہاں زیادہ ہوتی تھی۔

یہ بھی ایک طریقِ تجارت تھا کہ دونوں شہروں کے تاجر اور کاروانِ تجارت شاہراہ پر واقع مراکز میں بھی کاروبار کرتے تھے۔

دونوں اموی ثقفی شریک تجارت شام سے واپسی پر یمن کی دوسری تجارتی منڈی میں جایا کرتے تھے اور یہ تاجروں عام دستور تھا۔

حبشہ، ایران اور عراق وغیرہ کے بین الاقوامی بازاروں میں ان کے جانے کے ثبوت بھی ملتے ہیں جیسے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کا واقعہ ہے۔

تجارتی شراکت اور باہمی ندیمی

عرب دستور تجارت کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ دو مختلف خاندانوں اور دو الگ الگ قبیلوں کے دو تاجر آپس میں معاہدہ شراکت کر لیتے تھے اور ایک دوسرے کے ندیم، شریک اور دوست بن جاتے تھے۔ محمد بن حبیب بغدادی نے ایسے تاجروں کی ایک فہرست بھی دی ہے۔ اس دستور عرب کے مطابق طائف وثقیف اور مکہ وقریش کے تاجروں نے بھی ایسے معاہدے کر رکھے تھے اور ان کے مطابق کم از کم تین ندیم جوڑے ملتے ہیں، جو بغدادی کے مطابق یا تجارتی طریقے کے موافق اس طرح تھے:

۱۔ حرب بن امیہ اموی، قریش مکہ	امیہ بن ابی الصلت ثقفی، ثقیفِ طائف
۲۔ ابوسفیان بن حرب بن امیہ	اور امیہ بن ابی الصلت ثقفی
۳۔ ابوسفیان بن حرب اموی	اور عباس بن عبدالمطلب ہاشمی۔ قریش مکہ

اس دستورِ عرب اور فہرست بغدادی اور روایاتِ سیرت وتاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریک تجارت

اور ندیمی صرف دو تاجروں کے درمیان ہی میں محدود نہیں رہتی تھی۔ ان کے دو شریک تجارت تو مستقل ہوتے تھے اور ان کے علاوہ دوسرے بھی ہو سکتے تھے اور ہوتے تھے جیسے حضرت عباس ہاشمیؓ اور ابوسفیان امویؓ مستقل قریشی ندیم تجارت تھے تو حرب اور ان کے فرزند ابوسفیان امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے مستقل شریک تھے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں شریکِ تجارت جوڑے الگ الگ اسفار میں جایا کرتے تھے جب دوسرا ساتھ نہیں جا پاتا تھا۔ (۳۱)

کاروانِ تجارت

ملکی تجارت ہو یا بین الاقوامی تجارت، بالعموم اس کے بیان اور اسفارِ تجارت میں کارواں کا ذکر نہیں آتا جیسے اموی ثقفی ندیمانِ تجارت کے اسفار کا معاملہ ہے۔ بعض روایات میں یہ ہر حال اس کا ذکر مل جاتا ہے، جیسے قریشی کاروانِ تجارت برائے شام تھا یا سریہ نخلہ کے موقع پر بنومغیرہ/ بنومخزوم کے کاروانِ تجارت کا ہے۔ جن اسفارِ تجارت میں کارواں کا ذکر و حوالہ نہیں ملتا ان میں بھی وہ ضرور ہوتے تھے۔ سامانِ تجارت لے جانے کے لئے کافی تعداد میں جانوروں اونٹوں گھوڑوں وغیرہ کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان کے ساتھ تجارتی معاون اور غلام بھی ہوتے تھے اور دوسرے نمائندے بھی۔ یہ کاروانِ تجارت دو تاجروں کا بھی ہوتا تھا تو بھی ان میں کافی لوگ اور جانور شامل ہوتے تھے۔ بڑے تجارتی اسفار میں متعدد تاجر شامل ہوتے تھے جو ایک قبیلے کے بھی ہوتے تھے اور دوسرے حلیف و دوست قبیلے کے بھی ہوتے تھے اور ان کا کارواں بہت بڑا ہوتا تھا۔ پھر ان کاروانوں کے ساتھ مسلح محافظ بھی ہوتے تھے اس لئے کہ راستے میں رہزنوں اور دشمنوں کا خطرہ رہتا تھا۔

قریشی وثقفی تاجروں بالخصوص امیہ بن ابی الصلت ثقفی اور ان کی دو نسلوں کے اموی شریکوں کے تجارتی اسفار بھی کاروانوں ہی میں جاتے تھے۔ تجارتی کاروانوں کے بغیر سفر کرنا ہی ممکن نہ تھا اور نہ ہی دو شخص تجارت کے تقاضے خاص کر بین الاقوامی تجارت کے تقاضے پورے کر سکتے تھے۔ سریہ نخلہ کا باعث قریشی تاجروں کا کارواں ہی تھا، جو طائف سے سامانِ ضرورت لے کر مکہ لوٹ رہا تھا اور اس میں کافی مال جانوروں پر لدا ہوا تھا اور اس میں کم از کم چار افراد موجود تھے۔ یہ چھوٹا سا مقامی تجارت کا کارواں تھا، ظاہر ہے کہ ملک گیر اسواقِ عرب کو جانے والے کاروانِ تجارت زیادہ بڑے ہوتے تھے اور ان سے زیادہ لاؤلشکر بین الاقوامی تجارت کے کاروانوں کا ہوتا تھا۔

قریشی ثقفی سودی تجارت

سودی تجارت مال دار تاجرانِ عرب میں عام تھی اور اپنے منافع کے باعث بہت عزیز بھی تھی۔ غالباً

تمام تجارتی اصناف میں سودی تجارت تمام مال دار تجارت پیشہ قوموں کے اقتصادی نظام کا لازمی حصہ ہر زمانے میں رہی ہے۔ اسی وجہ سے اسے دوسرا قدیم ترین پیشہ کہا جاتا ہے۔ مگر یہ صرف غیر اسلامی اقوام کا حرام کاروبار رہا ہے، اسلام میں وہ ہمیشہ حرام رہا ہے۔ جاہلی دور میں عرب معیشت میں سودی کاروبار کا چلن اصلاً دینِ حنفی سے انحراف اور ملتِ ابراہیمی واسماعیلی سے بغاوت کا نتیجہ تھا جو یہود ونصاریٰ میں بھی سرایت کر گئے تھے اور تورات وانجیل کے واضح احکامِ تحریم کے باوجود یہود ونصارائے عرب اس حرام کاروبار میں مبتلا تھے۔ (۳۲)

قریش وثقیف کے درمیان سودی تجارت اور مہاجنی سود دونوں کے سودے عام تھے اور بیشتر تاجرانِ مکہ وطائف اس میں مبتلا تھے۔ طائف وثقیف کے تمام کاروباروں اور تجارتی مشغلوں میں سود وربا کا دخل اتنا زیادہ تھا کہ ان کے بغیر ان کا گذارہ نہ تھا۔ ان کے باہمی سودی تجارت کے چند بنیادی حقائق حسب ذیل تھے:

بیشتر قریشی خاندانوں اور ثقفی خاندانوں کے تاجرانِ مکہ وطائف ایک دوسرے کو تجارتی سود دیتے تھے اور لیتے تھے۔

ان میں قریش کے بنو مغیرہ / بنو مخزوم اور طائف کے ثقفی خاندان بنو عمرو بن عمیر صرف روایات کی وجہ سے ممتاز بنے تھے۔ وہ سب بلا استثنا سودی کاروبار کرتے تھے۔

ان کا خالص سودی کاروبار رہا ہو یا تجارتی ربا کا مشغلہ، وہ سودِ مرکب پر مبنی تھا کہ مدت گذرنے کے بعد سودی رقم سالانہ راس المال / اصل مال میں شامل ہو جاتی تھی اور دوسری مدت میں سود وربا اسی اضافی رقم پر لگتا تھا۔ اسی کو ''اضعافا مضاعفۃ'' کہا گیا ہے۔ بالعموم ان دونوں قبیلوں اور شہروں میں سود کی شرح پچاس فیصد ہوتی تھی جو مخصوص حالات میں گھٹ بڑھ سکتی تھی۔

رسولِ اکرم ﷺ نے سود کی حرمت کا اعلان ونفاذ اول روز سے کیا تھا اور مدنی دور کے آغاز میں سود کو باطل قرار دیا تھا۔ مکے اور طائف کے سودی کاروبار کو ان کے تاجروں کے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی کالعدم قرار دیا تھا۔ ثقیف کے اجتماعی اسلام کے بعد وہ سرے سے مٹ گیا۔

قریش وثقیف کا تمدنی ارتباط

عربی زبان اور جاہلی ثقافت کی بعض روایات واقدار نے ثقیفِ طائف کو قریشِ مکہ کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ ثقیف وہوازن بالخصوص ان کے ایک خاندان بنو سعد بن بکر کی فصاحتِ زبان وبلاغتِ بیان کی شہادت زبانِ نبوی سے ملتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی فصاحت وبلاغت کے لئے قریشی کے ساتھ سعدی زبان کو برابر کا سبب قرار دیا ہے جو مستند ترین ہے۔ جاہلی اور اسلامی دونوں ادوارِ نبوی وعربی

میں ثقیف اور بعض دوسرے قبائلِ دیار کی فصاحت و بلاغت کے واقعاتی شواہد بھی ملتے ہیں۔ان میں سے بعض شخصیات شعراو خطبا اور صاحبانِ نگارش کے شعری، نثری اور ادبی نمونے، عربی ادب کے شہ پارے مانے جاتے ہیں۔ایسے صاحبانِ زبان و بیان تو ہر علاقے میں ہوتے تھے اور آج بھی ہوتے ہیں لیکن ثقفی شعراو خطبا اور کُتّاب کا قریشِ مکہ سے ایک قریبی ارتباط تھا اور اسی طرح قریشی شعراو ادبا اور خطبا کا اپنے تمام معاصرین بالخصوص ثقفیوں پر بہت گہرا اثر مرتب ہوا تھا۔عہدِ نبوی میں اور بعض متاخر اسلامی ادوار میں ثقفی ادیبوں نے عربی زبان و ادب میں اپنے ہمہ گیر اثرات ہمیشہ کے لئے ثبت کئے تھے۔ان سے شعوری اور غیر شعوری طور پر قریشی شاعروں، ادیبوں، نثر نگاروں اور دوسرے لوگوں نے بہت کچھ سیکھا اور پایا تھا اور قریشی اہل زبان و بیان سے ثقفی لوگوں نے اپنے ذہن وقلب کو تابندہ تر کیا تھا۔(۳۳)

صرف شعروادب، خطابت و کتابت اور دوسرے فنون نے ہی نہیں بل کہ خالص علمی و سائنسی علوم نے بھی ان دونوں پڑوسیوں کو اپنے اپنے عطایا و ایجادات سے نوازا تھا۔اس بابِ خاص میں ثقفی سائنسدانوں کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔علمی اور سائنسی میدان میں اولین ثقفی دین شہری حصار بندی، قلعہ و فصیل سازی اور اس سے وابستہ چیزیں بھی تھیں اور کچھ اور بھی۔حربی آلات میں ثقیف نے حصار بندی اور فنِ تعمیر کی طرح دبابات اور منجنیق اور عرادات سازی اور ان کا جنگی استعمال دوسروں سے سیکھا تھا مگر اس میں مہارت حاصل کر کے علاقے کے ماہر بن گئے تھے اور اسی حربی تکنیک اور جنگی مہارت نے ان کو فوقیت دے دی تھی۔فنِ زراعت و باغبانی میں وہ غالبًا بلا مقابلہ استادانہ مہارت رکھتے تھے اور انھوں نے اپنے معاصر علوم و سائنسی ترقی کو کمال پر پہنچایا تھا۔علومِ طب و جراحت میں بھی ثقفی طبیبوں اور جراحوں کو ناموری اور فنی مرتبت حاصل تھی اور ان کی بعض شخصیات ملکی شہرت کی حامل تھیں۔ان تمام علوم و فنون اور ان جیسے دوسرے علوم و فنون سے قریشِ مکہ کے لوگوں نے بہت کچھ سیکھا اور پایا تھا جس پر بحث آرہی ہے۔

مذہبی ارتباط

قریشِ مکہ اور ثقیفِ طائف اور موخر الذکر کا بزرگ تر قبیلہ ہوازن آپس میں مشترکہ مذہبی اور دینی روایات بھی رکھتے تھے۔وہ سب دینِ حنفی کے پیرو تھے اور فخر سے اپنے آپ کو ابراہیمی، اسماعیلی دین پر قائم بتاتے اور اس کا اظہار اپنے اشعار میں کرتے تھے۔اسی طرح بت پرستی اور صنم پرستی میں بھی ان کے درمیان مشترکہ اقدار، روایات، رسوم تھیں، گرچہ ہر قبیلے کے اصنام الگ الگ تھے لیکن ان کے دیوی دیوتاؤں، ربہ، ارباب، سے عقیدت و محبت رکھنا ان کی مشترکہ صنم پرستی کی میراث تھی اور وہ بہت دل

چسپ بھی تھی۔ قریشِ مکہ کا عظیم ترین بت ہُبَل تھا جو خانہ کعبہ کی چھت پر ایستادہ کر دیا گیا تھا کہ اس کی الوہی عظمت اس کے لئے عظیم ترین مرتبت کا تقاضا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے اصنامِ کعبہ تھے جن کی تعداد تین سو ساٹھ تھی اور ان میں سے کچھ نام دار تھے اور اکثر بے نامی و بے توقیری کے پیکر تھے۔ ثقیفِ طائف کی اصل دیوی لات تھی جو ان کی ''ربۃ'' تھی اور اس کا صنم کدہ ان کے علاقے میں ان کا سب سے بڑا استھل تھا۔ اسی طرح عزیٰ بھی قریش اور کنانہ کا ایک قومی بت تھا اور اس کا شاندار صنم کدہ دوسرے علاقہ میں واقع تھا لیکن اس کا احترام وہ بھی کرتے تھے۔ (۳۴)

لات وعزیٰ کی عقیدتِ قریش

کتبِ سیرت وشعر میں اور تاریخِ اصنام پرستی میں یہ ذکر مختلف روایات کے حوالے سے آتا ہے کہ قریشِ مکہ لات وعزیٰ کے بھی معتقد اور ان کے الوہی کارناموں کے قائل تھے اور ان کی زیارت وعبادت کو جایا کرتے تھے۔ ابن الکلبی نے عزیٰ کو قریش کا صنم اعظم قرار دیا ہے: **و کانت اعظم الاصنام عند قریش و کانوا یزورونھا**۔ اسی طرح وہ لات کے بھی پجاری تھے۔ مکہ مکرمہ کے عذابِ شدید میں مبتلا ایک عظیم صحابیہ حضرت زنیرہ تھیں۔ ان کو رومی بتایا گیا ہے اور ان کو شدید مظالم کا شکار بنایا جاتا تھا۔ ان کو حضرت عمر فاروقؓ بھی اسلام لانے سے قبل بہت ستایا کرتے تھے اور دوسرے ستانے والے ان کے اپنے آقا و مالکان تھے۔ اسلام لانے کے بعد شدید تکالیف کے سبب ان کی بینائی جاتی رہی تو مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ ان کو لات وعزیٰ نے اندھا کر دیا۔ وہ فرماتیں کہ میں تو لات وعزیٰ کی منکر اور اللہ عزوجل کی مومنہ ہوں۔ ان کے اس ایمانِ محکم کا ایک معجزہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی واپس کر دی۔ اس روایت میں قریش کے مشرکین کا لات وعزیٰ کا حوالہ دینا قریش وثقیف وغیرہ کی بت پرستانہ مشارکت کا ایک ثبوت ہے۔ اس سے اہم قرآن مجید کی سورہ نجم کی آیات کریمہ: **افرایتم اللات والعزیٰO ومناۃ الثالثۃ الاخریٰO** ہیں۔ ان میں لات وعزیٰ اور مناۃ کا ذکر ہے۔ (۳۵)

دینِ حنیفی کی پیروی اور حنیفیت

دینی اعتبار سے قریش وثقیف میں بالخصوص اور دوسرے عرب قبائل وبطون میں بالعموم سب سے بڑی مشترکہ میراث ان کی دینِ حنیف کی پیروی تھی۔ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کے پیرو ہونے کا مستقل دعویٰ کرتے تھے۔ ان کے عقائد میں اللہ رب العالمین کا عقیدہ موجود تھا اگرچہ توحید کا عقیدہ شرک سے آلودہ ہو گیا تھا۔ اسی طرح رسالت ونبوت وآخرت اور ان

سے وابستہ دوسرے عقائد بھی موجود تھے اگرچہ ان میں سے اکثر مبہم، غیر واضح اور مشرکانہ بن چکے تھے کہ صنم پرستی نے ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ قریش مکہ اور عرب جاہلی کے بارے میں محققین نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان میں عقائد کے علاوہ ارکانِ دین اور بہت سی سنتوں اور دینی رسوم بھی باقی تھیں جیسے نماز، روزہ، صدقہ وزکوٰۃ اور حج وعمرہ، عقیقہ، ختنہ، نکاح وطلاق اور خصالِ فطرت کے علاوہ کئی اور عمدہ اور موکد سنتیں تھیں جن کی وہ پابندی کرتے تھے اور جن سے اختلاف وانحراف کو وہ برا جانتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس پر ایک قیمتی باب حجۃ میں لکھا ہے۔ (۳۶)

احناف وحنیفیت کی تحریک

یہ دل چسپ واقعہ ہے کہ جس طرح قریشِ مکہ میں عربوں کے رواجی دین خاص کر بت پرستی کے خلاف حنیفیت کی تحریک اٹھی اور کئی احناف اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور دینِ حنفی اور دینِ براہیمی کی تلاش میں لگ گئے اسی طرح ثقیفِ طائف میں بھی حنیفیت نے بال وپر نکالے۔ ان کے احناف کے دینی کارنامے زیادہ وقیع ہیں کہ آج بھی ان کے شاعری میں باقی وموجود ہیں۔ قریش کے چار یا چھ احناف۔ ورقہ نوفل اسدی/قریشی، عبید اللہ بن جحش اسدی خزیمی، عثمان بن الحویرث اسدی قریشی، زید بن عمرو بن نفیل عدوی قریشی وغیرہ کی طرح ثقیف میں بھی متعدد احناف تھے جن کے سرخیل مشہور شاعر امیہ بن ابی الصلت ثقفی تھے جو اپنی شاعری میں دین حنیفی کا اظہار کرتے تھے۔ قریشی احناف میں سوائے موخر الذکر حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کے باقی تین نے عیسائیت کے دامن میں پناہ لی تھی اور حضرت زید کا تصور وعمل خاصا مبہم رہا۔ امیہ ثقفی کی شاعری میں ان کے خیالات وافکار ان کو زیادہ موثر حنیف کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان کے اثرات کا بھی خاصا خوش گوار نتیجہ بتاتے ہیں۔ اس سے زیادہ یہ واقعہ بہت اہم ہے کہ وہ اپنے آپ کو نبی آخر الزماں سمجھتے تھے اور اپنی بعثت ورسالت کے منتظر تھے اور اس سے دوسرے بھی واقف تھے۔ ان کے قریشی احناف سے بھی قریشی اکابر کی طرح تعلقات تھے اور دونوں کے ساتھ مل کر انھوں نے مشترکہ دینی میراث کو محفوظ رکھا تھا۔ (۳۷)

قرآنی خدماتِ ثقیف

ثقیف کے اجتماعی قبولِ اسلام سے پہلے ثقیف وطائف کے بعض لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور ظاہر ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کی کئی سورتیں یاد کرلی تھیں۔ ان سے زیادہ یہ واقعہ اہم اور معنی خیز ہے کہ بعض غیر مسلم ثقیف کے افراد نے زمانہ جاہلیت میں ہی قرآن کریم کی کوئی سورت قرأتِ نبوی کی وجہ سے یا

کسی اور ذریعہ سے سنی تو یاد کر لی کہ وہ ان کے لئے زبان و ادب اور دین کا ایک تجربہ تھا۔ جاہلی قبائل کے متعدد افراد نے اسلام لانے سے قبل بعض سورتوں کو حفظ کر لیا تھا اور دوسروں کو سناتے تھے اور خود پڑھ کر لطف اٹھاتے تھے۔ یہ اسلام، قرآن اور رسولِ اکرم ﷺ کی غیر شعوری تاثیر تھی۔ عرب سماج میں اس دینی پہلو کے اشتراک کا ابھی زیادہ ادراک نہیں کیا گیا۔ (۳۸)

قرآن مجید کی تلاوت اور نماز میں نبوی قرأت اسلام کی دعوت وتبلیغ کے دو انتہائی موثر طریقے اور ذریعے تھے۔ مشرکین کے سامنے آپ ﷺ قرآنی آیاتِ کریمہ تلاوت فرماتے اور ان سے ان کے دل پگھل جاتے اور وہ اسلام کی طرف مائل ہو جاتے۔ جہری نمازوں خاص کر نماز شب کی رکعتوں میں رسولِ اکرم ﷺ کی پرسوز قرأت بڑے بڑے سخت دلوں کو موم کر دیتی اور ان سب کو کھینچتی۔ طائف کے ایک ماہہ قیام کے دوران رسولِ اکرم ﷺ نے بہت سے کافروں کو قرآن سنایا تھا اور نماز میں بہت سی آیات کی تلاوت کی تھی۔ ان کی تاثیر نکلنی لازمی تھی جس کا ذکر اگلے باب میں آتا ہے۔ یہاں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ ایک شخص نے سورۂ طارق اسی زمانے میں سن کر یاد کر لی تھی اور نہ جانے کتنے مرد وعورت اور بچے تھے جن کے گوش و ہوش کے ذریعہ قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ نبوی قرأت کے ذریعہ ان کے دلوں میں اتری تھیں اور ان کے اسلام و ایمان کی طرف راغب کرنے کا باعث بنی تھیں۔ روایات نہیں ملتیں لیکن واقعات کا وجود محض اطلاع پر منحصر نہیں ہوتا۔ (۳۹)

طائف کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ عہدِ نبوی ہی میں قرآن مجید کی تلاوت وقرأت، حفظ ومطالعہ اور تفسیر وتاویل کا مرکز بنا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ان کے والد ماجد اور اجداد کا طائف وثقیف سے بڑا گہرا رشتہ تھا اور وہ اکثر وبیشتر وہاں جاتے رہتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام خاص کر ثقفی صحابہ کرام، جو اجتماعی قبولِ اسلام کے بعد طائف ہی میں آباد رہے، قرآنی خدمات کے لئے معروف ہیں۔ ان تمام بزرگوں اور کتاب الٰہی کے امینوں کی کوششوں سے طائف قرآن مجید کی خدمات کا ایک عظیم الشان مدرسہ اور مکتب بنا۔ خلافت اسلامی کے اولین دور سے ہی حضرت ابن عباسؓ نے طائف میں اپنا تفسیری وقرآنی مکتب کھول لیا جس نے ایک خاص روایت قائم کی۔ (۴۰)

ثقفی روایاتِ حدیث

ثقفی صحابہ وصحابیات کی روایتِ حدیث ایک گراں سرمایہ بھی ہے اور ایک عظیم الشان تمدنی جلوہ بھی۔ متعدد صحابہ اور صحابیات اور ان کے فرزندوں، دختروں اور موالی وحلفا نے بہت سی احادیث نبوی

بیان کی ہیں جو صرف ان ہی ثقفی راویوں سے ہم تک پہنچی ہیں اور جن سے متعدد امامانِ حدیث وسنت نے اپنی کتبِ حدیث میں اپنی اپنی اسناد کے ساتھ نقل کی ہیں۔ سیرتِ نبوی میں روایتِ حدیث وسنت کا ذکر ذرا کم کیا جاتا ہے سوائے اس کے کہ کہیں اس کے بغیر کام نہ چلے، حال آں کہ وہ ایک ناگزیر حصہ ہے۔ ثقفی روایاتِ حدیث سے متعدد سنن وقوانینِ اسلام کا علم تو ہوتا ہی ہے ان سے خاص معاشرتی اور تمدنی احوال کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ موضوع پورے تحقیقی مقالے کا متقاضی ہے لیکن اس کا یہاں موقع نہیں۔ صرف چند اہم ثقفی راویوں اور ان سے زیادہ ان کی اہم ترین روایات حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے جو معاشرتی اور تمدنی جہات کو اجاگر کرتی ہیں۔ حدیث کے رواۃ ورجال کی کتابوں میں کافی تفصیل ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر ثقفیؓ

غالبًا تمام ثقفی صحابہ اور رواۃِ حدیث میں عظیم ترین ہر لحاظ سے ہیں۔ امام ابن سعد کے مطابق وہ ذہانت وفطانت اور سیاست ورائے کے امام تھے اس لئے ''مغیرۃ الرائے'' کہلاتے تھے۔ ان کی شان دار خدمات ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ سے ایک تجزیے کے مطابق ایک سو تیس احادیث مروی ہیں جن میں سے ۹ پر شیخین (بخاری ومسلم) کا اتفاق ہے جب کہ ایک حدیث بخاری میں اور دو حدیثیں مسلم میں منفرد ہیں۔ ان کی احادیث کی تخریج ائمہ ستہ نے اپنی صحاح ستہ میں کی ہے اور ان کے علاوہ بھی ہیں۔ حضرت مغیرہ ثقفیؓ سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں: ان کے فرزند: عروہ، عفار، حمزہ، ان کے مولیٰ وزاد، ان کے بھتیجے حسن بن حبہ اور صحابہ میں مسعود بن مخرمہ اور متعدد تابعین۔ (۴۱)

حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ کی احادیث صحیحین میں سے بعض کی تلخیص پیش کی جاتی ہے:

جاہلی دور میں حضرت مغیرہؓ نے اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو اپنے بعض ساتھیوں کی مدد سے قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ فرار ہو کر خدمت نبوی میں پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارا اسلام تو قبول ہے لیکن مال کے معاملے میں معاف کرنے کا اختیار مجھے نہیں ہے۔ (۴۲)

رسولِ اکرم ﷺ کے وضو کرنے کی سنت اور موزوں پر مسح کرنے کے قاعدے کو حضرت مغیرہ نے بیان کیا ہے۔ (۴۳)

غزوۂ تبوک میں رسولِ اکرم ﷺ کی سنتِ استنجا اور امامتِ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف میں نماز پڑھنے کی حدیث نقل کی ہے۔ (۴۴)

صلحِ حدیبیہ کے موقع پر اپنے چچا حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ، سے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے

تھے، ریش مبارک سے ہاتھ ہٹانے اور دور رکھنے کا جرأت مندانہ اور محبت آمیز اقدام کیا تھا۔ حضرت عروہؓ نے ان کے تعارف کے بعد ان کی سرزنش کی تھی اور لوٹ مار اور قتل وغیرہ کی دیت ادا کرنے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ حدیث اگرچہ دوسرے صحابہ سے مروی ہے لیکن اس کا یہ حصہ ان سے ہی منقول ہے۔ (۴۵)

حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کی فرمائش پر رسولِ اکرم ﷺ کی کئی احادیث ان کو لکھ کر ارسال کیں:

ا۔ ان میں سے ایک یہ تھی "اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین باتوں کو ناپسند کرتا ہے: بلاوجہ حجت کرنے، مال ضائع کرنے اور بہت سوال کرنے کو"۔

۲۔ دوسری حدیث نماز فرض کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کی ایک محبوب دعا ہے۔ (۴۶)

خلافت فاروقی کے دوران ایرانیوں سے جنگ کے دوران انھوں نے ایرانی سالار کو عرب قوم کی جاہلی زندگی، رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات بتائی تھیں اور ان کے قبول کرنے کے نتیجے میں عربوں کی زندگی میں انقلابی تبدیلی اور اخروی زندگی کا بہت موثر بیان پیش کیا تھا۔ (۴۷)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ

عظیم ثقفی صحابہ میں سے تھے۔ وفدِ ثقیف کے ایک معزز رکن تھے۔ اسی زمانے میں اسلام لائے۔ ان کی ایک حدیث بہت مشہور ہی نہیں خلاصۂ ایمان و لازمۂ سکینت ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ سے ایک دن دریافت کیا: مجھے ایک ایسی بات بتا دیجیے کہ وہ میرے لئے کافی ہو اور کسی اور سے کچھ نہ پوچھنا پڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

قل آمنت باللہ عزوجل ثم استقم (۴۸)

کہو میں ایمان لایا اور پھر اس پر جم جاؤ۔

حضرت سفیان بن قیس ثقفیؓ

ان کی روایت سے ایک ثقفی خاتون رقیقہ کی چشم دید روایت نقل ہوئی ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کے سفرِ طائف سے متعلق ہے۔ (۴۹)

حضرت اوس بن حذیفہ ثقفیؓ

وفدِ طائف/ثقیف میں شریک تھے اور اس کا قصہ سناتے تھے۔ مسح قدمین کی حدیث کے بھی راوی

ہیں۔(۵۰)

حضرت بشیر ثقفیؓ

حضرت حفصہ بنت سیرین نے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے جاہلیت ہی سے شراب پینے اور اونٹ کا گوشت کھانے سے توبہ کرلی تھی اور نذر بھی مان لی تھی۔(۵۱)

حضرت حارث بن حارث بن کلدہ ثقفیؓ

اپنے والد کی طرح طبیب وحکیم عرب تھے اور اپنی قوم کے سردار، حضرت سعدؓ کا علاج کیا تھا۔(۵۲)

ان کے علاوہ اسد الغابہ اور اصابہ میں متعدد ثقفی صحابہ کا تذکرہ ہے اور ان کی احادیث وروایات مذکور ہیں جیسے حکم بن سفیان ثقفی، (۵۳) حکم بن عمرو بن معتب ثقفی، (۵۴) حکم بن ابی العاص بن بشیر ثقفی، جو حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی کے بھائی تھے، (۵۵) خرشہ ثقفی، (۵۶) خفاف بن نضلہ ثقفی، (۵۷) ربیعہ بن امیہ بن ابی الصلت ثقفی، (۵۸) ربیعہ بن عمرو ثقفی، (۵۹) زہیر ثقفی، (۶۰) زہیر بن عثمان ثقفی، (۶۱) سالف بن عثمان ثقفی، (۶۲) سعد بن عمرو ثقفی، (۶۳) سعد بن مسعود ثقفی، (۶۴) سعد بن ربیعہ ثقفی، (۶۵) سعید بن عبید ثقفی، (۶۶) سفیان بن حکم ثقفی، (۶۷) اور بہت سے دوسرے ثقفی صحابہ وصحابیات۔

ثقفی خواتین کی احادیث

ثقفی حضرات کی مانند ثقفی خواتین نے بھی بہت سی احادیث وروایات سیرت کی ترسیل وروایت کی ہے۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں، ابن حجر نے اصابہ میں اور ان سے قبل ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور ابن سعد نے طبقات میں ہر ایک کی حدیث ضرور نقل کی ہے، خواہ ان کی تعداد صرف ایک ہی ہو۔ دراصل ان تمام معاجم صحابہ میں صرف راوی حدیث صحابہ وصحابیات وغیرہ کا ہی تذکرہ کیا گیا ہے۔ عام کتب حدیث میں ان کی احادیث کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور وہ اصلاً اس صاحب کتاب کی معلومات اور اخذ وقبول کے مطابق ہوتی ہے۔ ثقفی صحابیات کی احادیث کی بھی قانونی، دینی، مذہبی اور تشریعی اہمیت کے ساتھ ساتھ ان کی معاشرتی وتمدنی حیثیت بھی ہے۔ اس دوسرے پہلو سے زیادہ اور اولین جہت سے بھی ثقفی صحابیات کی احادیث کا ایک مختصر تجزیہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس میں سہولت کی خاطر کسی خاص ترتیب وتہذیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

حضرت لیلیٰ بنت قانف ثقفیہؓ: صحابیہ موصوفہ کی حدیث امام احمد اور امام ابوداؤد نے اپنی اپنی کتب میں نقل کی ہیں، جس کی سند یہ ہے:

طریق محمد بن اسحاق عن نوح بن حکیم الثقفی عن ابی داؤد بن عاصم بن عروۃ بن مسعود الثقفی عن لیلیٰ بنت قانف الثقفی

ان کی حدیث کا متن ہے:

قالت: کنت ممن شھد غسل ام کلثوم بنت النبی ﷺ، فاول ما اعطانی من کفھنا الحقو ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفۃ، ثم ادرجت فی الآخر ادراجا (۶۸)

انھوں نے فرمایا کہ میں ان لوگوں (خواتین) میں شامل تھی جنھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی دختر حضرت ام کلثوم کو غسل دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے کفن میں سب سے پہلے مجھے ازار دی، پھر قمیص عطا کی، پھر اوڑھنی دی پھر چادر لپیٹنے والی دی پھر اس میں ان کو اچھی طرح لپیٹ دیا گیا۔

حضرت زینب بنت عبداللہ ثقفیہؓ: صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلیؓ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنے مقدمہ فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ بخاری میں ان کی صرف ایک حدیث ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں کم از کم دو احادیث اور امام ابن حجر نے اصابہ میں صرف ایک کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہدایت نبوی برائے خواتین ہے کہ جب تم میں سے کوئی نمازِ عشا میں حاضر ہو تو وہ خوش بو لگا کر نہ آئے: **اذاشھدت العشاء فلا تمس طیباً**۔ دوسری حدیث اس سے زیادہ دل چسپ اور اسلامی معاشرت وتمدن کی نمائندگی کرتی ہے۔ حضرت زینب ثقفیہؓ کا بیان ہے کہ میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے باب بیت نبوی پر پہنچی تو وہاں ایک انصاری خاتون موجود تھیں جو میری ہم نام تھیں اور ہم دونوں کی حاجت ایک ہی تھی۔ حضرت بلالؓ گھر سے نکل کر ہمارے پاس آئے تو ہم نے ان سے کہا کہ رسولِ اکرم ﷺ سے ہمارے لئے یہ پوچھ لو کہ اگر ہم اپنے شوہروں اور اپنی گود کے یتیموں پر خرچ کریں تو کیا وہ صدقے کی طرف سے کفایت کرے گا۔ حضرت بلالؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس جا کر عرض کیا کہ دروازے پر زینب موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: زینبوں میں سے کون سی زینب: "ای الزیانب؟" انھوں نے وضاحت کی ایک زوجہ ابن مسعود ہیں اور دوسری ایک انصاری کی بیوی۔ پھر ہماری حاجت بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کے لئے دو دو اجر ہیں: ایک قرابت

کا اجر اور دوسرا صدقے کا اجر: لها اجران: اجر القرابة واجر الصدقة (۶۹)

حضرت میمونہ بنت کردم الثقفیؓ: حافظ ابن حجرؒ کے مطابق صحابیہ موصوفہ کی حدیث اہل الطائف کے پاس ہے نہ کہ اہل بصرہ کے پاس جیسا کہ ابن عبدالبرؒ کا خیال ہے۔ ان کی حدیث کی تخریج ابوداؤد نے کتاب الایمان والنذور میں کی ہے، اور ابن ماجہ وغیرہ نے بھی۔ ان میں ابن مندہ اور ابونعیم بھی شامل ہیں۔ ان کے مطابق حضرت میمونہؓ اپنے والد ماجد حضرت کردم ثقفیؓ کی سواری کے پیچھے بیٹھی تھیں جب ان کے والد نے رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے بوانہ نامی صنم کدہ کے پاس قربانی کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا وہاں کوئی بت (وثن) طاغیۃ (دیوی) ہے۔ ان کے نفی میں جواب پر آپ ﷺ نے فرمایا: فاوف بنذرك حيث نذرت "جہاں کی نذر تم نے مانی تھی وہیں اپنی نذر پوری کرو"۔ یہ مختصر تخریج ہے، جب کہ امام احمد نے کافی مفصل حدیث بیان کی ہے۔ امام ابن حجرؒ نے ترجمہ طارق بن المرقع کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں ایک اور حدیث میں نے ان حضرت میمونہؓ سے نقل کی ہے، ان کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک کوڑا (درۃ) کاتبوں کے درے کی طرح (کدرۃ الکتاب) تھا۔ میں نے اعراب کو اسے کہتے ہوئے سنا: الطبطبۃ (کوڑا کا اعرابی نام)۔ رسولِ اکرم ﷺ کے قریب میرے والد گئے اور آپ کے قدم مبارک لئے اور ان کا اقرار کیا: فاخذ بقدمه فاقر له○ فرماتی تھیں کہ میں نے آپ ﷺ کے قدم مبارک کی سبابہ انگلی کی تمام انگلیوں سے زیادہ لمبائی دیکھی اور اس کو کبھی نہیں بھولی۔ آپ ﷺ سے میرے والد نے کہا: میں نے جیشِ عسران میں حاضری دی تھی انی شهدت جيش عسران (۷۰)

حضرت ہزیلہ بنت حارث بن حرب ہلالیؓ: ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیؓ کی حقیقی بہن تھیں اور اپنی کنیت ام حفیدؓ سے زیادہ مشہور تھیں۔ ان کی شادی نجد کے اعراب میں ہوئی تھی۔ ان کی ایک حدیث موطا مالک، صحیحین، ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے کہ وہ اپنی بہن کے گھر زیارت کے لئے آئیں تو ہدیے میں گھی/مکھن (سمناً)، پنیر (اقطاً) اور گوہ کا گوشت (ضبابا) لائیں۔ حضرت میمونہؓ نے ان کو اپنے دسترخوان پر سجا دیا اور رسولِ اکرم ﷺ کو کھانے کے لئے بلایا۔ آپ کے ساتھ حضرات خالد بن ولید مخزومیؓ اور عبداللہ بن عباس ہاشمیؓ تھے جو دونوں حضرت میمونہؓ اور حضرت ہزیلہؓ کے بھانجے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے گوشت سے ہاتھ کھینچ لیا کہ آپ کے پاس اللہ کی طرف سے آنے والا آتا ہے مگر دونوں صحابہ کرام کو اسے کھانے کی اجازت دے دی۔ روایات سیرت وحدیث میں فرمانِ نبوی کے الفاظ میں خاصا فرق و اختلاف ہے۔ (۷۱)

حضرت ام عثمان الثقفیؓ

صحابیِ جلیل اور عہدِ نبوی کے گورنر طائف حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ابن مندہ نے ان کی ایک طویل حدیث حضرت عثمانؓ کی سند سے نقل کی ہے کہ وہ خاتونِ ثقیف رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں۔ وہ اصلاً ایک قریشی خاتون تھیں جن کا نام تھا۔ صفیہ بنت امیہ الاکبر بن عبد شمس اور ایک ثقفی شیخ بشر بن عبد دہمان بن عبداللہ ثقفی کی بیوی تھیں۔ (۷۲) یہ حضرت ام عثمان ثقفی یا صفیہ بنت امیہ اموی قریشی اس وقت ثقیف میں بیاہی نہیں گئی تھیں اور مکے میں اپنے والد کے گھر مقیم تھیں، کیوں کہ ان کے فرزند حضرت عثمان ثقفیؓ رسولِ اکرم ﷺ سے عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ان کی شادی ہو چکی ہو اور ان کے شوہر مکہ میں مقیم ہوں یا وہ اپنی سسرال سے میکے آئی ہوئی تھیں جب ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی تھی۔

بعض معنی خیز ثقفی احادیث

رسولِ اکرم ﷺ کی تمام احادیثِ صحیحہ معانی خیز اور اہم ہیں مگر ان میں سے بعض اپنی معنی خیزی اور حکمت آفرینی کی وجہ سے امتِ مرحومہ کے لئے خاص کر نشانِ راہ بن گئی ہیں۔ یہ وہ احادیث ہیں جو امت کے اکابر واصاغر کے بعد کے انحرافات سے متعلق ہیں۔ ان میں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لوگوں کے مستقبل کے غیر اسلامی طور وطریق کا نقشہ کھینچا ہے اور وہ آج بالکل صحیح ثابت ہو رہی ہیں۔ ان میں سے بعض احادیث ان ثقفی صحابہ کرام سے مروی ہیں، جو خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے اور ان کی سماعت کر کے ان کو مستقبل کی نسل کے لئے محفوظ کیا ہے۔

حضرت نافع بن کیسان ثقفیؓ کی روایت کردہ ایک حدیث ہے:

ستشرب امتی من بعدی الخمر یسمونها بغیر اسمها یکون عونهم علی شربها امراؤهم (۷۳)

میری امت میرے بعد شراب پیئے گی مگر اس کا دوسرا نام رکھ دے گی اور ان کی شراب نوشی پر ان کے امرا ان کے معاون ہوں گے۔

ایک ثقفی زائر وصحابی حضرت ابو تمام ثقفیؓ ہدیے میں شراب کا ایک مٹکا/ چھاگل لائے تھے، ہدیہ قبول نہیں ہوا کہ شراب کا پینا حرام ہے تو صحابیِ موصوف نے شراب کی قیمت دلوا دینے کی درخواست کی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: **ان الذی حرم شربها حرم ثمنها**۔ اس کا ذکر آ چکا ہے۔

ثقیف کی دوسری اسلامی خدمات

ثقیف طائف نے جب دل سے اسلام قبول اور رسولِ اکرم ﷺ کو تسلیم کرلیا تو ان کی محبت اسلام وعقیدت نبوی دوسرے صحابہ کرام سے کسی طرح فروتر نہیں تھی۔ وہ بھی رسولِ اکرم ﷺ کے ویسے ہی شیدائی اور اسلام کے فدائی تھے جیسے قریشی وانصاری صحابہ تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ نے اپنے سگے چچا حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کے ریش مبارک کی طرف بڑھتے ہاتھ کو روک دیا تھا۔ حضرت عروہ نے اسلام لانے کے بعد اپنی قوم کو دعوت حق دینے کی خاطر جان دے دی تھی اور حضرت معتب بن مالک ثقفی نے بھی اسی طرح جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ دراصل اسلام وایمان کی محبت وزینت اور رسولِ اکرم ﷺ کی الفت وعقیدت اسی طرح دلوں میں گھر کرتی تھی۔

مسجد کی تعمیر

ظاہر ہے کہ ثقیفِ طائف کے اجتماعی اسلام کے بعد پورے علاقے میں مساجد کی تعمیر بڑے پیانے پر کی گئی تھی۔ ان میں سے ایک وہ مسجد تھی جو حضرت عمرو بن امیہ بن وہب بن معتب ثقفیؓ نے تعمیر کی تھی اور وہ خاص اس مقام پر تعمیر کی گئی تھی جہاں رسولِ اکرم ﷺ نے محاصرہ طائف کے دوران نمازیں پڑھی تھیں اور وہ ثقیف کی جامع مسجد بن گئی اور ابن حزم اندلسی کے زمانے تک ان کی مسجدِ خاص رہی تھی۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کا مصلیٰ تھا اور صحابہ کرام کی عادت شریفہ تھی کہ وہ ایسے تمام مقامات پر مساجد تعمیر کردیا کرتے تھے۔ امام ابن اسحاق/ ابن ہشام، امام بخاری، امام واقدی اور امام ابن سعد وغیرہ نے ان تمام مساجد کا ذکر کیا ہے جو نبوی نماز گاہوں پر تعمیر کی گئی تھیں۔ (۷۴)

ثقفی شعر وشعرا

ثقیف وہوازن اور ان کے مختلف بطون نے اپنے اپنے قبائلی شعرا پیدا کئے تھے، جن کی شہرت و حیثیت مقامی تھی۔ ان میں سے بعض شعرا و ناقدین شعر نے ملک گیر عظمت حاصل کی اور ان کے اشعار و کلام اور نقد وتبصرے کو ہر جگہ اعتبار وافتخار ملا۔ عہدِ نبوی میں بعض قریشی اور ثقفی شعرا اور دوسرے موزوں طبع حضرات اور کبھی کبھی خواتین کے اشعار معاصر واقعات وشخصیات کے بارے میں ملتے ہیں۔ ان کا حوالہ یا ذکر مختلف کتبِ سیرت اور مآخذِ شعر وادب نے کیا ہے۔ ان اشعار وابیات کی ادبی حیثیت سے زیادہ تاریخی اہمیت ہے۔ ایسے شعرائے قریش وثقیف کا ذکر مختصر ذیل میں دونوں قبیلوں کے تمدنی روابط کو

اجاگر کرنے کے لئے کیا جارہا ہے۔(۷۵)

امیہ بن ابی الصلت ثقفی (م ۹ھ/ ۶۳۱ء یا قبل)

جاہلی اور نبوی عہد کا ایک عظیم ثقفی شاعر تھا جو مادری نسب کے اعتبار سے قریشی تھا۔اس کی ماں رقیہ بنت عبد شمس بن عبد مناف تھی۔امیہ کے والد ابو الصلت کا اصل نام ونسب بہ قول زبیری ربیعہ بن وہب بن علاج بن ابی سلمہ تھا، اور بہ قول اندلسی ابو الصلت بن ربیعہ بن عوف بن عقدہ بن غیرۃ۔ بنو عبد مناف کے بزرگ تر خاندان سے نسبت رکھنے کے سبب وہ قریش کے مختلف بطون، ان کے اکابر اور دوسرے شیوخِ مکہ سے تعلقات رکھتا تھا۔اکابر قریش کے وفد عبد المطلب ہاشمی میں بھی وہ شامل تھا۔اس نے یمن کے فاتح سیف بن ذی یزن کی مدح میں قصیدہ کہا تھا اور یمن میں مقیم بھی رہا تھا۔چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں طائف میں پیدا ہوا اور ساری عمر وہیں گذاری لیکن وہ تجارت ومعیشت اور معاشرت کی بنا پر مختلف شہروں کا سفر کرتا تھا۔ مکے آمد کے بارے میں اس کی دل چسپی مذہبی نوعیت کی تھی کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ سے ملنا اور اسلام کو سمجھنا چاہتا تھا۔یہود ونصاریٰ سے بھی اس کے قریبی تعلقات تھے اور اپنے شامی تجارتی اسفار میں ان کے اکابر سے ملتا تھا۔کہا جاتا ہے کہ اس کی شاعری میں مذہبی رنگ اسی اختلاط کا نتیجہ تھا۔مکہ مکرمہ کے شیخ قریش حرب بن امیہ اور ان کے فرزند ابو سفیان بن حرب اموی سے اس کے دوستانہ و تاجرانہ اور عزیزانہ تعلقات تھے اور وہ مکہ آتے رہتے تھے۔عرب کے مشہور احناف میں امیہ بن ابی الصلت ثقفی کا بھی شمار تھا۔وہ توحید الٰہی کے علاوہ ادارہ نبوت، کتب الٰہیہ اور ملائکہ اور حشر ونشر کا قائل تھا۔ مکہ مکرمہ کے ایک صاحب جود وسخا اور بنو تیم کے عظیم سردار عبد اللہ بن جدعان سے اس کے تعلقات تھے اور ایک بار اس نے تیمی حاتم کا قصیدہ کہہ کر انعام پایا تھا۔رسولِ اکرم ﷺ سے اس کو خاص انسیت تھی کہ مختلف رشتوں کے علاوہ دینی اور فکری یگانگت بھی تھی۔کہا جاتا ہے کہ اسے خود اپنے نبی بننے کی آرزو یا امید تھی لیکن بعثت نبوی کے بعد وہ مایوس ہوگیا۔تاہم اس نے آپ سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی اور ایک مدحیہ قصیدہ بھی کہا تھا۔اسی کے ساتھ غزوۂ بدر میں اپنے قریبی عبشمی اعزہ عتبہ وشیبہ وغیرہ کے قتل پر ان کا مرثیہ بھی کہا تھا۔ یہ دونوں قصیدے اور مرثیے اس کے دیوان میں موجود ہیں۔ابن اسحاق نے بھی یہ مرثیہ کو نقل کیا ہے۔(۷۶)

فنی لحاظ سے امیہ ثقفی کے اشعار وقصائد کو بہت زیادہ بلند نہیں گردانا گیا مگر اس کے بہت سے اشعار عمدہ اور پر کیف ہیں۔امیہ ثقفی کے دو فرزند، ربیعہ اور قاسم، بھی اچھے ثقفی شعرا میں شمار ہوتے تھے۔ان کا ذکر زبیری، ابن حمزہ، فواد سزگین وغیرہ نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔امیہ بن ابی الصلت ثقفی اور اس کے

اشعار کا ذکر کتب سیرت وسوانح کے علاوہ کتب حدیث میں بھی ملتا ہے اور ان کی تعریف زبان رسالت مآب ﷺ سے ملتی ہے۔ (۷۷)

حضرت قاسم بن امیہ بن ابی الصلت ثقفیؓ

غیر مسلم ثقفی شاعر امیہ بن ابی الصلت کے فرزند حضرت قاسم بن امیہ ثقفی مسلم اور صحابی تھے اور والد کی طرح شاعر بھی۔ ان کے زمانہ اسلام کی صراحت کتبِ صحابہ وشعرا میں نہیں کی جاتی ہے۔ غالباً وہ اسلامِ ثقیف کے ساتھ ہی اسلام لائے تھے۔ ان کے عہدِ جاہلی اور عہدِ نبوی یا بعد کے خلافت اسلامی کے زمانے میں کردار و سوانح کا بھی کوئی خاص ذکر نہیں کیا جاتا۔ صرف یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کے اس کارنامے کا ذکر کیا ہے اور دوسروں نے بھی۔ شاعر و ناقد ثعلب (۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء۔ ۲۹۱ھ/ ۹۰۴ء) نے حجۃ الوداع کے واقعے کے بارے میں ان کے دو شعر بھی نقل کئے ہیں:

قوم اذا نزل الغریب .بدارھم　　ردوہ رب صواھل و قیان
لاینکثون الارض عند سؤا لھم　　کمطلب　　اللات　　بالعدان

بعد کے واقعات میں حضرت عثمان بن عفان امویؓ کی شہادت پر ان کا ایک پورا مرثیہ ہے۔ ابن عبدالبر نے اس کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے:

ضحیتم به لعمری لبئس الذبح　　وختنتم رسول الله فی قتل صاحبه

ابن حجر عسقلانی نے دو شعر نقل کئے ہیں:

لعمری لبئس الذبح ضحیتم به　　خلاف رسول الله یوم الاضاعی
فطیبوا نفوسا بالقصاص فانه　　سیسعیٰ به الرحمن سعی نجاح (۷۸)

حضرت ربیعہ بن امیہ بن ابی الصلت ثقفیؓ بھی شاعر تھے اور اپنے برادر قاسم اور والد امیہ کی طرح مقبول تھے۔ مذکورہ بالا مآخذ میں ان کا تذکرہ حضرت قاسم ثقفی کے ساتھ ملتا ہے۔ (۷۹)

نابغہ جعدی

ایک ثقفی شاعر تھے جن کا احترام پورے عرب میں کیا جاتا تھا۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو جعد بن عامر بن صعصعہ سے تھا۔ وہ اگر چہ براہ راست ثقیف سے وابستہ نہ تھے تاہم ان کے بزرگ تر خاندان بطن کے قومی شاعر تھے اور اسی دیار کے باشندے بھی۔ ان کا نام قیس بن عبداللہ بن عمرو بن عدس بن ربیعہ بن جعدہ بن کعب ہے اور وہ صحبت نبوی سے بھی مشرف تھے کہ اسلام لے آئے تھے۔ ان کی کنیت ابولیلیٰ تھی۔ وہ اپنے قومی

وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے ۹ھ/ ۶۳۰ء میں مدینہ حاضر ہوئے تھے اور صلح میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ خدمت نبوی میں انھوں نے اپنا مشہور قصیدہ رائیہ پیش کیا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے اس کی بہت تعریف وتحسین کی تھی۔ وہ جاہلی دور میں پیدا ہوئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ دوسرے ہم نام مشہور شاعر نابغہ ذبیانی سے زیادہ معمر تھے۔ ان کا ذکر متعدد مصادرِ شعر میں ہے۔ وہ عمدہ کلام کہتے تھے اور خاص طور سے گھوڑے کے اوصاف بیان کرنے میں ان کا جواب نہیں تھا۔ دوسرے موضوعات پر بھی ان کے اشعار ہیں۔ ولایت/ تولیتِ قریش میں ان کی بعض احادیث بھی منقول ہیں۔ قریش مکہ اور ثقیف و عامر بن صعصعہ سے تعلقات کے بارے میں بھی اشعار ہیں۔ امیہ بن ابی الصلت ثقفی کی مانند وہ بھی احناف میں شامل تھے اور توحید، نبوت، معاد وغیرہ کے قائل تھے اور احنافِ مکہ سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ طویل عمر پائی اور خلفائے راشدین کے بعد تک باحیات رہے۔ معمرین میں شمار ہے کہ ان کی عمر دوسو سال بتائی جاتی ہے۔ اصابہ میں بھی ان کے متعدد شعر ہیں۔ (۸۰)

غیلان بن سلمہ ثقفی (م قریب ۲۳ھ/ ۶۴۴ء)

نہ صرف عظیم شاعر و حکیم تھے بل کہ عدل گستر حاکم اور صاحب حکمت و کرم شیخ و رئیس بھی تھے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ سوقِ عکاظ کے زمانے میں وہ ایک دن عدل گستری کرتے، ایک دن محفل شعرو سخن منعقد کرتے اور ایک دن ملاقاتیوں کو باریاب کرتے۔ فواد سزگین نے مختصر تبصرے میں لکھا ہے کہ وہ بہ طور ایک سید، سردار، حکیم اور شاعرِ کم گو زندہ رہے۔ وہ طائف میں احلافِ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ ایرانی شہنشاہوں کے درباروں میں جاتے رہے تھے۔ ۹ھ/ ۶۳۰ء میں فتحِ طائف کے بعد وہ اسلام لائے تھے۔ ان کے فرزند حضرت عامر بن غیلان بن سلمہ بن معتب ثقفی اپنے والد ماجد سے قبل اسلام لا کر مدینے ہجرت کر گئے تھے اور طاعون میں والد کی حیات ہی میں شہید ہوئے۔ تذکرہ نگاروں نے خاص کر ابن حبیب بغدادی نے ان کا ذکر ان شیوخ عرب میں کیا ہے، جن کی دس بیویاں تھیں۔ بہت فصیح و بلیغ ادیب اور عمدہ شاعر تھے۔ اکابر قریش بالخصوص حضرت ابوسفیان اموی سے ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ مختلف مولفینِ شعر نے ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔ معجم البلدان مقالہ طائف میں طائف کی زرخیزی اور اس کے دعائے براہیمی سے تعلق پر ان کے پانچ اشعار منقول ہیں، جن میں سے اولین شعر ہے:

حللنا الحدمن تلعات قیس بحیث یحل ذوالحسب الجسیم (۸۱)

حضرت ابومحجن ثقفی (م بعد ۱۶ھ/ ۶۳۷ء)

ان کے نام پر شدید اختلاف ہے کہ عبداللہ تھا یا مالک یا عمرو۔ ان کے والد تھے حبیب میں عمرو۔ وہ

حجاز کے ثقیف سے تعلق رکھتے تھے اور اکثر و بیشتر طائف میں سکونت رکھتے تھے۔ ان کا تعلق ثقیف کے خاندان بنو عمرو بن عمیر بن عوف بن عقدہ بن غیرۃ سے تھا جس سے بیشتر شیوخِ ثقیف اور ساداتِ طائف جیسے عبد یالیل اور ان کے دونوں بھائی مسعود و حبیب تعلق رکھتے تھے۔ ان کی والدہ بھی قریشی تھیں اور ان کا نام تھا کنود بنت عبد بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اس لئے ان کے قریش سے خاص روابط تھے۔ وہ مشہور ثقفی شاعر امیہ بن ابی الصلت کے ہم قبیلہ بھی تھے اور معاصر بھی۔ ان کی ولادت جاہلی دور میں ہوئی تھی جس کی صحیح تعیین مشکل ہے۔ وہ بہت مشہور شاعر، قابل افتخار شہسوار (فارس) اور بڑے سرداروں میں شمار ہوتے تھے اور وفد ثقیف میں بعض کے مطابق شامل تھے۔ غزوۂ طائف کے دوران انھوں نے ثقیف کی طرف سے اسلامی لشکر کے خلاف غیر معمولی فوجی کارنامے انجام دیے تھے جن کا ذکر واقدی نے تفصیل سے کیا ہے۔ ثقیف کے اجتماعی اسلام کے ساتھ اسلام لائے۔ عہد نبوی میں ان کے کردار و عمل اور سوانح کی تفصیلات بالکل نہیں ملتی ہیں۔ جنگ قادسیہ کے حوالے سے ان کی شہسواری، شجاعت و مردانگی اور جنگی قابلیت کے ساتھ ان کی شراب نوشی کا ذکر بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ جنگِ قادسیہ کے بعد شراب سے توبہ کر لی تھی۔ اس کا واقعہ مورخینِ اسلام نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو عبرت انگیز بھی ہے۔ ذکر آ چکا ہے کہ ان کے مشہور شعر کی رعایت سے ان کو انگوروں کی ایک بیل کے نیچے باغ عنب ارمینیہ میں دفن کیا گیا تھا جہاں وہ فوت ہوئے تھے۔ ابن حجر عسقلانی نے اسلامی خلافت کے دوران ان کے احوال و سوانح کا زیادہ ذکر کیا ہے۔ البتہ اصابہ میں ان کے متعدد اشعار نقل کئے جن سے ان کے شعری مرتبے کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ ان کی لوحِ مزار یہ ہے۔

اذامت فادفنی الی جنب کرمۃ　　　ترمی عظامی بعد موتی عروقھا (۸۲)

دوسرے ثقفی شعرا و شاعرات

جاہلی دور کے عرب مذاق کے مطابق اکثر و بیشتر مرد و زن بالخصوص اکابر شعر و ادب کا ذوق رکھتے تھے اور ہر ایک قبیلہ بلکہ اس کے ہر ایک بطن و خاندان میں ان کے شعرا و شاعرات ہوتے تھے۔ سیرت و سوانح کی کتابوں میں اور شعرا کے تذکروں میں بھی ایسے شعر گو افراد کا ذکر کیا جاتا ہے اور ان کے بعض اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ ثقیفِ طائف اور ہوازن کے مختلف خاندانوں میں بھی ایسے نغز گو تھے۔ ان سب کا ذکر ضروری نہیں۔ تمدنی روابطِ باہمی کے ضمن میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ماحولیات نگاری اور ایام العرب شاعری میں ثقفی شعر گو مرد و زن نے بھی کافی کلام یا اشعار کہے تھے۔ ان کا تعلق حمد و نعت

سے بھی تھا اور قریش سے ان کے باہمی ارتباط سے بھی۔

قریشی اشعار ثقیف پر

کتب سیرت و تاریخ میں بالخصوص سیرت ابن اسحاق/ ابن ہشام میں بعض قریشی اکابر کے وہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں جو انھوں نے بعض معاصر واقعات و حوادث کے بارے میں کہے تھے۔ ابنِ اسحاق کے طریقہ نقل و روایت میں ایک ناگزیر عنصر یہ ہے کہ وہ ہر اہم معاملے میں معاصرین و معاصرات کے اشعار ضرور نقل کرتے ہیں۔ ان کی ثقاہت و اعتبار پر کافی بحث کی جا چکی ہے اور بہ ہر حال بہت سے اشعار صحیح بھی ہیں، کیوں کہ ان کا ذکر دوسرے صحیح تر مآخذ میں بھی ملتا ہے یا ان کی تصحیح ماہرین شعر و ادب نے اپنے تبصروں میں کی ہے۔ ان اشعار بابتِ ثقیف کی ایک دل چسپ جہت ان کی معاصرت کے علاوہ ان کی بعض اضافی معلومات بھی ہیں جو روایات پر اضافہ ہیں۔ ان اشعارِ واقعات کا ذکر شعرائے قریش یا شخصیات کے حوالے سے موزوں لگتا ہے جو ذیل میں بعض اکابر قریش کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ (۸۳)

ابو طالب بن عبدالمطلب ہاشمی

ابو طالب بن عبدالمطلب ہاشمی رسولِ اکرم ﷺ کے دوسرے حقیقی چچا اور حضرت زبیر بن عبد المطلب ہاشمی کے بعد سب سے بڑے مربی تھے۔ بنو عبد مناف اور اس کے اہم ترین خاندان بنو عبدالمطلب کے دو ذیلی شاخوں بنو ہاشم و بنو مطلب کے متحدہ شیخ بھی حضرت زبیر کے بعد بن گئے تھے۔ ان تمام رشتوں کی وجہ سے ان کے تمام بطونِ قریش کے علاوہ قرب و جوار کے قبائل عرب بالخصوص ثقیفِ طائف و ہوازن دیار سے تعلقات تھے۔ ابو طالب ہاشمی کو خاندان بنو ہاشم کا غالباً سب سے بڑا شاعر قرار دیا جاتا ہے کہ اس کے دوسرے افراد و خواتین کی وہ شاعرانہ حیثیت نہیں تھی۔ اگر چہ ان کے اشعار و شاعری پر نقد و اعتراض بھی کیا گیا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کے بہت سے اشعار خاص کر مدحِ نبوی کے قصیدے کے اشعار صحیح ہیں۔ ان کے اشعار میں بعض کا موضوع عصری واقعات و حادثات اور شخصیات و اشخاص پر تبصرہ و نقد بھی ہے اور ان میں ثقیف بھی شامل ہیں۔ یاقوت حموی وغیرہ نے ان موضوعاتی اشعار کا ذکر کیا ہے جیسے طائف کے لغوی معنی میں ابو طالب کا ایک مصرعہ ہے:

نحن بیننا طائفا حصیناً

ثقیف کی بنو عامر پر فوجی فتح پر ان کے دو شعر ہیں:

منعنا ارضنا من کل حی   کما امتنعت بطائفها ثقیف

اتاھم معشر کی یسلبوھم فحالت دون ذلکم السیوف (۸۴)

اشعارِ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی

سیرتِ ابن اسحاق کی روایت یونس بن بکیر میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کے وہ اشعار بھی منقول ہیں جن میں انھوں نے اپنے اسلام لانے کا ذکر رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت و بعثت اور سیرت و کردار کے حوالے سے بہت عمدہ طریقے سے کیا ہے۔ ان اشعار میں انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی حمایت ونصرت کرنے کے مستقل عزم کا اظہار کیا ہے اور دشمنوں کو ان کے انجام بد سے خبردار کیا ہے۔ آخر میں ثقیف کے مظالم کا حوالہ بھی دیا ہے جو انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ پر کیے تھے اور ان کے لئے بددعا کی ہے اور بدترین انجام کی خبر دی ہے۔ ان کے یہ اشعار ہیں:

وقد خبرت ما صنعت ثقیف
به فجبری القبائل من ثقیف
اله الناس شر جزاء قوم
ولا اسقاھم صوب الخریف(۸۵)

ثقفی اشعار کی فرمائشِ نبوی

سیرتِ نبوی کا ایک دل چسپ تمدنی باب اور اہم ثقافتی حصہ یہ ہے کہ بسا اوقات رسولِ اکرم ﷺ شعرائے قبائل سے ان کا کلام سنتے تھے اور اس کی تعریف وتحسین فرماتے تھے۔ مدینہ منورہ کے شعرائے کرام خصوصاً حضرت حسان بن ثابت خزرجیؓ تو آپ ﷺ کے دربارِ نبوت کے شاعر خاص تھے اور وہ آپ کی مدافعت میں اور اسلام کی حمایت میں شعری جہاد کرتے تھے۔ خدمت نبوی میں حاضر ہونے والے شعراء عرب اپنے نعتیہ قصائد پیش کرتے اور آپ ﷺ نہ صرف ان کو سنتے بل کہ ان کی داد دیتے تھے۔ ان میں سے بعض ثقفی شعرا بھی تھے۔ ان سے زیادہ اہم طریقہ نبوی یہ نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ خدمت میں آنے والے ثقفی حضرات وخواتین سے ان کے مشہور شعرا کا کلام فرمائش کر کے سنا کرتے تھے۔ آں حضرت ﷺ کو ثقفی شاعر امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے کلام سے خاص دل چسپی تھی۔ اس کے بہت سے اسباب تھے۔ ان میں سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ ان کے اشعار پر توحیدی رنگ غالب تھا۔(۸۶)

شاعرِ ثقیف امیہ بن ابی الصلت کی ایک بہن حضرت فارعہؓ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ وہ جب خدمتِ نبوی میں مدینے حاضر ہوئیں تو ان سے پوچھا: کیا تم کو اپنے بھائی کے اشعار یاد ہیں پھر ان سے

شاعرِ ثقیف کے اشعار سماعت فرمائے۔ حضرت فارعہ بنت ابی الصلت ثقفیؓ نے جو اشعار آپ ﷺ کو سنائے ان کی تعداد تیرہ تھی اور ان میں سے بعض کا ذکر ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کے تذکرہ میں کیا ہے۔ ان کے اشعار کا اولین حصہ یہ تھا:

باتت همومی تسری طوارقها
اكف عينی والدمع سابقها

ان میں سے دوسرے اشعار تھے:

ما رغب النفس فی الحياة وان
تحيا قليلا فالموت لا حقها
يوشك من فر من منيته
يوما على غرة يوافقها
من لم يمت غبطة يمت هرما
للموت كأس والمرء ذائقها

معاتبہ کے اشعار ہیں:

كل عيش وان تطاول يوما
صائر مرة الى ان يزولا
ليتنی كنت قبل ماقد بدالی
فی قلال الجبال ارعی الوعولا

رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت فارعہؓ سے فرمایا: تمہارے بھائی کی مثال تھی: الذی اتيناه ايتنا فانسلح منها الآية۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے یہ اشعار اور قصہ امیہ ثقفی امام ابن عبدالبر کی الاستیعاب سے لیا ہے اور موخر الذکر کا تبصرہ ہے کہ میں نے اس میں کافی اختصار کر دیا ہے۔ پھر امام ثعلبی کی تفسیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت فارعہؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کو امیہ ثقفی کے بعض قصائد سنائے تھے جن میں ایمان اور آخرت کی صراحت ملتی ہے۔ ان میں سے ایک قصیدے کے بعض اشعار ہیں:

يوقف الناس للحساب جميعا فشقی معذب و سعيد؟

دوسرے قصیدے کے دو شعر ہیں:

لك الحمد والنعماء والفضل ربنا ولا شی اعلى منك جدا و امجد

عليك على عرش السماء مهمين　　لعزته تعنو الوجود وتسجد

ایک اور قصیدے کے اشعار ہیں:

یوم یاتی الرحمن وهو رحیم　　انه کان وعده ماتیا

ان اواخذ بما اجترمت فانی　　سوف القی من العذاب قویا

رب ان تعف فالمعافاة ظنی　　اوتعاقب فلم تعاقب بریا

رسولِ اکرم ﷺ نے اس پر تبصرہ فرمایا: ان کے اشعار مومن تھے اور ان کا قلب کافر تھا: آمن شعره و كفر قلبه۔ اس معاملے میں آیت کریمہ اتری: واتل علیهم نباالذی آتیناه ایتنافانسلخ منها۔(۸۷)

حضرت شرید بن سوید ثقفیؓ کے نام ونسب کے بارے میں کافی اختلاف ہے کہ حضرموتی تھے یا ثقفی حلیف۔ بہ ہر حال ان کے اسلام لانے اور خدمتِ نبوی میں حاضر ہونے کا واقعہ صلح حدیبیہ سے قبل کا ہے کیوں کہ وہ بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ غالباً وہ مکہ مکرمہ کے باسی تھے اور ان کے کسی خاندان غالباً بنو زہرہ کے حلیف تھے کیوں کہ ان کی زوجہ ایک قریشی خاتون تھیں جن کا نام تھا ریحانہ بنت ابی العاص بن امیہ۔ اس کی ایک قوی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اسلام ثقیف سے تین سال قبل مسلمان ہوئے تھے۔ انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی فرمائش پر امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے سو شعر سنائے تھے جن کے خاتمے پر آپ ﷺ کا تبصرہ تھا کہ وہ قریب قریب مسلم بن گئے تھے: ان کادیسلم۔ صحیح مسلم میں بھی ان ثقفی صحابی سے امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے اشعار سننے کا واقعہ منقول ہے۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت شرید ثقفیؓ کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھا لیا تھا یعنی ان کو اپنا ردیف بنالیا تھا اور ان سے امیہ ثقفی کے شعر یاد ہونے کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انھوں نے جواب اثبات میں دیا تو فرمایا ان کے اشعار سناؤ۔ انھوں نے ایک شعر سنایا، فرمائش نبوی پر دوسرا شعر سنایا اور اسی طرح سناتے رہے حتی کہ پورے سو اشعار آپ ﷺ کو سنادیے۔ صحیح مسلم کی حدیث صحیح صحابی موصوف کے فرزند حضرت عمرو بن الشریدؒ کی روایت پر مبنی ہے جو ان کو والد ماجد سے ملی تھی:

قال: ردفت رسو ل الله ﷺ يوماً فقال: هل معك من شعرامية بن ابى الصلت شيئا؟ قلت: نعم، قال: هيه، فانشدته بيتا، فقال: هيه ثم انشدته بيتا، فقال: هيه..... حتى انشدته ماة بيت.

اس حدیث کی تین روایات ہیں: (۵۸۸۶) (۵۸۸۷) جن میں معمولی اختلافات ہیں۔ آخر

میں رسولِ اکرم ﷺ کے تبصرہ میں بھی اختلاف ملتا ہے: ایک روایت میں ہے: ''ان کاد لیسلم''۔ حدیث ابن مہدی کے الفاظ ہیں: **فلقد کاد یسلم فی شعرہ**۔ اگلی دو حدیث مسلم (۵۸۸۹) ۳ (......) (۵۸۹۰) ۴ (......) کا تعلق حضرت لبیدؓ کے مشہور شعر سے متعلق ہے مگر ان کے آخر میں امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کا تبصرہ دونوں میں نقل ہوا ہے: وکاد (امیة) بن ابی الصلت ان یسلم ابو الفرج اصفہانی نے امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے اشعار سننے کے علاوہ ان کی تصدیقِ نبوی کی روایات بھی نقل کی ہیں اور متعدد اشعار کو نقل بھی کیا ہے جیسے:

الحمدلله ممسانا و مصبحنا	بالخیر صبحنا ربی ومسانا
رب الحنیفیة لم تنفد خزائنها	مملوئة طبق الافاق سلطانا
الا نبی لنا منا فیخبرنا	مابعد غایتنا من راس محیانا

اور فرمانِ نبوی: ان کاد امیة لیسلم کو بھی (۸۸)

خطبائے ثقیف

ثقیف وہوازن نے جاہلی دور میں اور شاید اس سے زیادہ اسلامی عہد میں عظیم ترین خطبائے عرب پیدا کئے۔ حجاج بن یوسف ثقفیؒ اموی خلافت میں ایک عظیم مدبر وسیاست داں ہی نہیں ماہر زبان ولسانیات اور عظیم ترین خطیب تھے۔ ان کی تمام تر بدنامی اور ''بدکاری'' کے باوجود بڑے بڑے دعوے دارانِ زہد واتقا ان کے خطبات ومراسلات کو عربی ادب کے مختارات میں شامل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے متاخر ثقفی خطبا وادبا اور کاتبین بھی تھے جن کے ادبی اور خطیبانہ کارناموں سے تاریخ ادب عربی کے اوراق مصور ہیں۔ جاہلی اور نبوی عہد میں بعض ایسے خطیب وساحر بیان مقرر پیدا ہوئے تھے جن کا وجود، شخصیت اور کارنامہ افسانوی سمجھا جاتا ہے۔ (۸۹)

قُس بن ساعدہ ایادی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے مقالے ثقیف میں صرف اتنا لکھا کہ ''......قس بن ساعدہ ایادی بھی یہیں کا باشندہ سمجھا جاتا ہے اور نبی ﷺ کا نوعمری میں عکاظ میں اس کے فصیح وبلیغ خطبات کا سننا احادیث میں مروی ہے۔ (۹۰)۔ قبائلی لحاظ سے ان کا تعلق بنوایاد بن معد سے تھا جو عدنان کی ایک ذیلی شاخ اور بطن تھا۔ وطنی نسبت البتہ ثقیف سے تھی۔ ان کا پورا نام ونسب تھا: قس بن ساعدہ بن عمرو بن شمر بن عدی بن مالک بن ایدعان بن النمر بن واثلہ بن الطمثان بن عبدمناۃ بن یقدم بن افصی بن دعمی بن ایاد۔ ان کو

"الحکیم المشہور" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے خطبات میں حکمت آمیز باتیں کہتے تھے۔ مقالہ قس بن ساعدہ الایادی میں ان کو الحکیم یا حکم العرب لکھا گیا ہے اور موخر الذکر حکیم العرب لکھا گیا ہے۔ اپنے زمانے میں وہ حکیم اور حکم دونوں حیثیتوں سے ممتاز تھے۔ مولانا شبلی نے قس بن ساعدہ کو دوسرے احناف کے ساتھ شامل کیا ہے کہ "فیض الٰہی کی خفیف شعاعیں عرب میں پھیلنی شروع ہوگئی تھیں۔ ادب ومحاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ قس بن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا، آں حضرت ﷺ اس خطبے میں شریک تھے......"۔ مولانا موصوف نے اس مشہور خطبے کا ایک حصہ نقل کر کے اس پر روایتی ودرایتی نقد کر کے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ ان کے دلائل جان دار ہیں۔ لیکن اس سے انکار ان کو بھی نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی بازار عکاظ اور دوسرے مواقع پر ان سے ملاقاتیں بعثت سے قبل ہوئی تھیں اور وہ حنیف تھے اگرچہ ان کو نصرانی اور اس حیثیت سے اسقف بھی سمجھا گیا ہے۔ وہ توحید کے قائل تھے اور عابدوں وزاہدوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس سے زیادہ یہ حقیقت قابلِ تسلیم ہے کہ قس بن ساعدہ ایادی برابر عکاظ، مکہ، مقامات حج اور دوسرے دیار وامصار میں آتے جاتے رہتے تھے اور ان کے تعلقات ثقیف وقریش اور ان کے پڑوسیوں سے تھے۔ لسان العرب نے ان کو اسقفِ نجران لکھا ہے لیکن وہ اسقف نہ تھے۔ یہ خلط روایات کا معاملہ ہے۔ (۹۱)

عبقریات ودھاۃِ ثقیف

عرب ثقافت کا ایک شان دار مظہر یہ بھی ہے کہ وہ اپنے غیر معمولی ذہین وفطین اور حکیم وفلسفی شخصیات کا ذکر کرتی ہے۔ ان غیر معمولی شخصیات کو ان کی سیاسی سوجھ بوجھ، فنی مہارت، ذہن کی دراکی اور فطانت کی وجہ سے بالعموم "دھاۃ" کہا جاتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے چار دھاۃ" حضرات معاویہ بن ابی سفیان اموی، عمرو بن العاص سہمی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی اور زیاد بن ابی سفیان اموی" مشہور ومعروف ہیں۔ عرب جاہلی اور دورِ نبوی میں بھی ایسے اشخاص وعبقریات کی کمی نہ تھی اور ہر قبیلے اور ہر دور میں ایک دو ضرور ہوتے تھے۔ ثقیف کی عبقریات میں کئی اہم ترین نام ملتے ہیں جن کی ذہانت وذکاوت اور فطانت وتدبر کا لوہا قریش بھی مانتے تھے۔ (۹۲)

عمرو بن امیہ بن علاج ثقفی

ابن اسحاق/ ابن ہشام کے مطابق اپنے دور میں ثقیف کے ذہین ترین اور مدبر وحکیم لوگوں میں سرفہرست سمجھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مقالہ ثقیف میں ان کو "فوق العادہ صاحب ہوش (genius)

'' قرار دیا گیا ہے جو حکیم، عبقری ودا ھیہ کا ترجمہ ہے۔ مورخین اور سیرت نگاروں کے مطابق ان کا عظیم ترین کارنامہ یہ تھا کہ شیخ ثقیف عبدیالیل بن عمرو کو انھوں نے مصالحت کا مشورہ دیا تھا۔ طائف کا محاصرہ اٹھانے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے حلیفوں کے ذریعے طائف وثقیف کی ناکہ بندی اور مسلسل یلغار کا انتظام بھی کیا تھا۔ عبدیالیل ثقفی نے یہ صورت حال دیکھی تو حکیم ثقیف عمرو بن امیہ بن علاج ثقفی سے مشورہ کیا حال آں کہ وہ ان کو زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔ حکیمِ ثقیف نے یہی مشورہ دیا کہ ان حالات میں جب کہ تمام عرب قبائل اور ممالک اسلام کے آگے سرنگوں ہو چکے ہیں طائف کو بھی سپر ڈال دینی چاہیے۔ وہ سال دو سال سے زیادہ مدافعت و مقاومت نہیں کر سکتا اور اس دوران اس کی تمام معیشت وتجارت وغیرہ برباد ہو جائے گی۔ لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ سے مفاہمت وصلح ہی واحد راستہ ہے۔ حضرت عبدیالیل ثقفیؓ نے ان کا مشورہ قبول کر کے ایک وفدِ ثقیف مدینہ بھیجا تھا۔ (۹۳)

ثقفی فنِ طبابت واطبا

عرب علومِ طب نے یونانی، ایرانی، چینی اور ہندی علوم وفنون سے استفادہ کر کے اسے خالص عرب علمِ طب بنا دیا جسے بدقسمتی یا بدذوقی سے آج بھی بعض ممالک بالخصوص برصغیر پاک وہند میں یونانی طب کہہ کر عرب عطیے کا انکار کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ انھوں نے کئی دوسرے علوم وفنون کی مانند طب وجراحت کے علوم وفنون دوسروں سے سیکھے تھے مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر قوم و ملک اپنے پیش رووں اور معاصروں سے خواہ وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی، اسی طرح استفادہ کرتا ہے اور فنون کو ترقی دیتا ہے۔ عرب اطبا میں خاص کر بعض ثقفی طبیبوں کو مایۂ ناز شہرت وجلالت حاصل ہے اور اس کا شرف کسی علاقہ غیر کو دیا جاتا ہے۔

حارث بن کلدہ ثقفی: ایک عظیم ترین عرب طبیب تھے اور ثقیف کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مقالہ ثقیف میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''الحارث بن کلدہ بھی ثقفی ہی تھا اور کہتے ہیں کہ جندی سابور کا تعلیم یافتہ تھا۔ ابن ابی اُصیبعہ (۹۴) نے حفظِ صحت پر اس کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔ الغزولی (م ۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء) نے مطالع البدور (۹۵) میں جو اقتباس دیے ہیں وہ (ابن ابی اصیبعہ کے اقتباسات کی طرح) غالباً اسی کتاب کے ہیں''۔ ابن حزم نے ان کو طبیب العرب قرار دیا ہے اور دوسروں نے بھی، وہ حکیمِ عرب بھی کہلاتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت ابوبکرہؓ کے آقا و مولیٰ تھے۔ ان کی صحابیت میں کلام ہے لیکن ان کی حذاقت میں کوئی شبہ نہیں۔ بعض روایات سیرت میں ملتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے علاج کرانے کا مشورہ بعض صحابہ کو دیا تھا اور ان کی فنی مہارت کا اعتراف کیا تھا۔

تذکرہ اطبا میں ان کو طب و جراحت کے دونوں شعبوں کا ماہر بتایا گیا ہے اور ان کے جراحی اور طبی کا رناموں کا بھی حوالہ ہے۔(۹۶)

حضرت حارث بن حارث ثقفی: ان کو طبیب اور حکیم عرب کہا گیا ہے۔ وہ صحابی تھے اور مؤلفۃ القلوب میں شمار، کیوں کہ وہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ انھوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کا علاج بھی کیا تھا۔ ان کی وفات ''اول الاسلام'' میں بتائی جاتی ہے۔(۹۷)

بعض تمدنی اور سماجی واقعات

روایاتِ سیرت اور تاریخ اسلام میں بعض ایسے واقعات کا ذکر آتا ہے جو سماجی اور تمدنی لحاظ سے بہت اہم تھے۔ ان میں ثقیف سے متعلق واقعات ومعاملات پر زیادہ زور ہے کہ قریش کے معاملات روزِ روشن کی طرح سب پر عیاں تھے۔ بہ ہر حال ان کا ذکر قریشی حوالے سے آتا ہے یا رسولِ اکرم ﷺ کے حوالے سے۔ یہ دونوں حوالے سیرت نبوی کے عمدہ ابواب ہیں۔ اسلام اور دعوت نبوی کے حوالے سے یہ ذکر آچکا ہے کہ ثقیف کے مشہور شاعر وحنیف امیہ بن ابی الصلت ثقفی ملاقات وزیارت کے لئے عازم مکہ ہوئے تو قریشی مخالفین نے ان کو برگشتہ کرنے کے لئے طرح طرح کے روڑے اٹکائے جن میں بعض بالکل صحیح بھی تھے جیسے زنا اور بدکاری کی تحریم ثقفی شاعر کو سنائی تو ان کا ردعمل شریفانہ تھا کہ مجھے اس کار بد اور گناہ کبیرہ سے کیا واسطہ؟ البتہ شراب کی حرمت کی خبر سن کر وہ چکر میں پڑ گئے کہ شراب دوسرے ثقفیوں کی طرح ان کی گھٹی میں بھی پڑی تھی اور اس کا ترک کرنا ان کے لئے ذرا مشکل تھا، لہٰذا وہ ایک سال تک اس مشکل پر غور وفکر کے لئے طائف لوٹ گئے اور ملاقات نہ کی۔ یہ مکی دور کا واقعہ ہے۔ بعد میں وہ قریشی ثقفی سیاسی اور سماجی مفاہمت کے سبب اور کچھ حمیت جاہلیہ کے سبب اسلام نہ لا سکے جس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

بادیہ بنت غیلان ثقفی کا سراپا

عرب شعراء اور اہل ادب بالخصوص مختلف قبیلوں اور ان کے خاندانوں کی عورتوں کے حسن و جمال اور سراپا کو جانتے تھے اور اس کو اپنے شعر وکلام میں بھی بیان کرتے تھے۔ ان کے بارے میں شاعرانہ للک اور بیانیہ مبالغہ آرائی کی وجہ سے زیادہ سنجیدہ نظر نہیں رکھی جاتی تھی، لیکن بعض اندرون خانہ جھانکنے کے ماہرین اور جوانی وجوبن پر نظر رکھنے کے رسیا ان کے بارے میں واقعی معلومات رکھتے تھے اور ان کا دل چسپ نقشہ کھینچتے تھے۔ ایسے متعدد واقعات کا ذکر سیرتِ نبوی کے مختلف ابواب کے حوالے سے آتا ہے جیسے کسی خاص مقام کے خلاف غزوۂ نبوی کے وقت صاحبانِ ذوق ونظر نے کسی مخصوص خاتون کی فرمائش کر

دی کہ اس کے حسن و جمال کے چرچے وہ سن چکے تھے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس جمیلہ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ ایسی بعض فرمائشوں کو جنابِ رسالت مآب ﷺ میں حسنِ قبول بھی حاصل ہوا تھا کہ وہ بہ ہر حال ایک اسلامی قاعدے اور اصول کے مطابق درخواست والتجا تھی اگر چہ اس کے پیچھے حسن و جمال اور سراپا کے بیان رنگین کا محرک کام کر رہا تھا۔ اس کا ذکر روایاتِ سیرت کے علاوہ صحیح بخاری میں بھی ہے۔ حضرت بادیہ بنت غیلان ثقفیؓ نے بعد میں اپنے والد ماجد غیلان بن سلمہ ثقفیؓ کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ وہی مشہور شاعر ثقیف ہیں۔ (۹۸)

رسولِ اکرم ﷺ کی خالہ فاختہ بنت عمرو بن عائذ مخزومی کا مولیٰ تھا جس کا نام ''ماتع'' اور بعض کے مطابق ''ھیت'' تھا۔ وہ گھروں میں یعنی بیوتِ نبوی میں آتا جاتا تھا کہ خیال تھا کہ وہ عورتوں کے بارے میں اتنا شعور نہیں رکھتا جیسا کہ مرد رکھتے ہیں: **لا یری رسول اللہ ﷺ انہ یفطن لشئی من امر النساء مما یفطن لہ الرجال ولا یری ان لہ فی ذلک اربۃ (الحاجۃ)**۔ اس مخنث نے حضرت عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ مخزومیؓ سے کہا تھا کہ اگر کل طائف فتح ہو جائے تو آپ کے ہاتھ سے بادیہ بنت غیلان نہیں نکلنی چاہئے، کیوں کہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار سلوٹیں پڑتی ہیں اور جب واپس جاتی ہے تو آٹھ سلوٹیں پڑتی ہیں''۔ اس کے بعد واقدی کی روایت میں مزید تفصیل سراپا ہے جو عربی ادب کا ایک عمدہ اظہار بھی ہے:

واذا جلست تثنّت، واذا تکلمت تغنّت، واذا اضطجعت تمنّت، وبین رجلیھا مثل الاناء المکفوء، مع ثغر کانہ الاقحوان، کما قال الخطیم:

بین شکول النساء خلقتھا نصب فلا جبلۃ ولا قضف
تغترق الطرف وھی لا ھیۃ کانھا شف وجھھا نزف

رسولِ اکرم ﷺ نے اس کے اس بیہودہ بیان پر سخت نقد و تبصرہ کیا اور ان دونوں مخنثوں کو نہ صرف خواتین کے پاس جانے سے روک دیا بل کہ ان کو مدینے سے جلاوطن کر دیا۔ ان کی شکایت پر ان کو صرف جمعہ جمعہ شہر آنے اور اپنی ضروریات پوری کر کے واپس اپنے مقام پر جانے کا حکم دیا، جس پر وفاتِ نبوی تک عمل درآمد ہوتا رہا۔ خلافتِ شیخین کے دوران بھی یہی حال رہا اور شہادتِ فاروقی کے بعد وہ دوسروں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے۔

بخاری/ فتح الباری، حدیث: ۴۳۲۴ میں حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو وہاں ایک مخنث بیٹھا تھا جو عبداللہ ابی امیہ مخزومی (برادر ام المومنین) سے کہہ

رہا تھا:......اس میں صرف چار اور آٹھ سلوٹوں کا ذکر ہے اور باقی بیان نہیں ہے۔ شرح حافظ ابن حجر بھی خاصی تشنہ ہے جو صرف نامِ مخنث پر محیط ہے۔ (۹۹) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے البتہ حدیث بخاری: ۵۲۳۵ کی شرح میں تشنگی دور ہی نہیں کی بل کہ بہت سی روایات مختلف مآخذ سے نقل کی ہیں۔ اگر چہ واقدی کی روایت از ابن الکلبی سے بعض الفاظ وفقروں کا فرق ہے لیکن وہ ان کی روایت کی بہ ہر حال تصدیق کرتی ہیں کہ بنیادی صفات مشترک ہیں۔ ان کے بنیادی مباحث کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

حدیثِ بخاری: ۵۲۳۵ کا متن ہے:

عن ام سلمة ان النبی ﷺ کان عندھا، وفی البیت مخنث، فقال المخنث لاخی ام سلمة عبداللہ بن ابی امیة: ان فتح اللہ لکم الطائف غدا ادلك علی ابنة غیلان، فانھا تقبل باربع وتدبر بثمان، فقال النبی ﷺ: لا یدخلن ھذا علیکم (۱۰۰)

حافظ موصوف نے اس حدیث کی روایت کے تسلسل کا سراغ لگایا ہے کہ وہ غزوہ طائف کے دوران بیان کی گئی تھی۔ واقعے سے متعلق نکات ہیں:

مخنث کا نام ’’ھیت‘‘ تھا۔ (۱۰۱)

مخنث کا نام ماتع تھا: مغازی ابن اسحاق۔

مخنث کا لقب حبیب تھا یا ماتِع یا اس کے برعکس۔ ابوموسیٰ المدینی۔

دو الگ الگ مخنث تھے: ھیت مولیٰ عبداللہ بن ابی امیہ تھا اور ماتع مولیٰ فاختہ۔ واقدی نے ان کو بالجزم دو قرار دیا ہے۔

’’انہ‘‘ تیسرا نام مخنث تھا: بارودی نے صحابہ میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ نے عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی شادی کے لئے کسی خاتون کے بارے میں پوچھا تو اس نے خاتون کا سراپا بیان کیا۔

ھیت بہ ہر حال راجح نام ہے کیوں کہ اس کا نام اسی طرح حدیث میں آیا ہے۔

۲۔ مختلف صحابہ کرام سے مختلف مخنثوں کے بیانِ سراپا کے بارے میں حافظ موصوف کا خیال ہے کہ ان کے بیان کا توارد امکان سے باہر نہیں ہے، کیوں کہ وہ مختلف مواقع پر ایسا وصف مذکور مختلف لوگوں کے سامنے کر سکتے تھے۔ ان کی روایات کی بنا پر کئی صحابہ سے اس وصف مذکور کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں شامل ہیں:

حضرت عبداللہ بن ابی امیہ مخزومیؓ (محاصرہ طائف کے دوران شہید ہو گئے تھے)۔

حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تیمیؓ

حضرت سعد بن ابی وقاص زہریؓ (نے مکہ میں ایک خاتون سے شادی کرنی چاہی تو اس کے بارے میں مخنث ھیت نے ایسا ہی وصف بیان کیا)۔

۳۔ تیسرا اہم نکتہ سب روایات میں یہ ہے کہ مخنث ازواج مطہرات اور دوسری صحابیات کے گھروں میں عورتوں کے پاس آتے جاتے تھے اور ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان میں عورتوں کی طرف کوئی رغبت ہے اور نہ ان کے صنفی معاملات سے کوئی تعلق، بے ضرر سمجھ کر ان کو آنے جانے دیا جاتا تھا۔

۴۔ حضرت بادیہ بنت غیلان ثقفیؓ اور ان کے والد ماجد کے قبولِ اسلام کا ذکر سب نے کیا ہے۔ ان کا نام ونسب بیان کیا ہے۔ خاص ذکر حضرت بادیہؓ کے حسن و جمال کا اور استحاضہ میں ابتلا کا ہے اور حضرت غیلانؓ کی دس بیویوں میں سے چھ کے الگ کرنے کا ہے۔

۵۔ ذکر حسن و جمال میں یا وصفِ سراپا صرف ''تقبل باربع وتدبر بثمان'' کا ذکر حدیث مذکور میں ہے۔ اس کی شرح مفصل مختلف اقوال و مآخذ سے کی ہے۔ اس میں خاص حدیثی نکتہ یہ ہے کہ امام مالک کی تفسیر کو جمہور نے بالعموم قبول کیا ہے۔ خطابی وغیرہ کا قول بھی ہے۔

۶۔ یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ ایسی صفاتِ جمیلہ کی حامل خواتین میں مرد اپنی فطرت وعادت کے سبب زیادہ رغبت رکھتے تھے۔

۷۔ مزید بیان صفات و سراپا کی بعض اور روایات مختلف مآخذ سے بیان کی ہیں جیسے حدیثِ سعد میں ہے: ان اقبلت قلت، تمشی بست، وان ادبرت قلت: تمشی باربع۔ اس کی تفسیر مزید ہے۔

روایت ابن الکلبی کا زیادۃ / اضافہ یہ ہے: وتدبر بثمان بثغر کالاقحوان، ان قعدت تثنت، وان تکلمت تغنت، وبین رجلیها مثل الا ناء المکفوء مع شعر آخر۔

مدنی کا مزید اضافہ ہے: اسفلها کثیب و أعلاها عسیب۔ (۱۰۲)

زیوراتِ خواتین کی طلب

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت خولہ بنت حکیم بن امیہ بن اوقص سلمیؓ نے، جو زوجہ حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ تھیں، جنابِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: اگر طائف فتح ہو جائے تو مجھے فارعہ بنت خزاعی یا بادیہ بنت غیلان ثقفیؓ کے زیورات عطا فرمایئے گا۔ یہ دونوں خواتین ثقیف حسین ترین ہی نہیں مال دار ترین بھی تھیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: خولہ! اگر ثقیف کے بارے میں حکمِ الٰہی ہی نہیں ہوا تو؟ حضرت خولہؓ

واپس چلی گئیں اور انھوں نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا اور حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے بیانِ حضرت خولہؓ کی تصدیق کی۔ اسی کے بعد مشورہ فاروقی پر روانگی کا حکم جاری کیا گیا تھا اور محاصرہ طائف اٹھالیا گیا۔ (۱۰۳)

ثقفی ہدایا

عرب تہذیب وثقافت کی ایک عظیم وقابلِ فخر روایت یہ تھی کہ وہ سماجی زیارتوں کو جاتے تو اپنے عزیزوں، دوستوں اور دوسرے قرابت والوں کے لئے ہدایا لے جاتے تھے۔ بالعموم یہ ہدایا کھانے پینے کی چیزوں پر مشتمل ہوتے تھے اور علاقے کی خاص اشیاء پر بھی۔ ان میں شہد، پنیر، جانوروں کا گوشت، پھل پھلاری اور سبزی وغیرہ بھی شامل ہوتے تھے اور بعض دوسری استعمال کی چیزیں بھی ہوتی تھیں۔ اسلامی عہد میں اس عرب جاہلی روایت کو نہ صرف قائم رکھا گیا بل کہ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اس میں کئی جہات کا اضافہ بھی کیا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ایک مستقل سنت یہ تھی کہ ہدیہ کی جانے والی چیز کا نعم البدل یعنی بہتر چیز یا قیمتی شے ہدیہ کرنے والے کو عطا فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ اس کے علاوہ سماجی زیارت کے لئے آنے والوں کی بہتر سے بہتر خالص عرب سخاوت کے مطابق ضیافت کرتے تھے اور ان کی واپسی پر ان کو مویشیوں، کپڑوں اور نقد رقموں سے بھی نوازا کرتے تھے۔ اسلامی اقدار نے عرب جود وکرم کو بلند تر کردیا تھا۔ (۱۰۴)

حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد زیارت کی اور ہدایا لائیں۔ ان کی واپسی پر حضرت خدیجہؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کے ارشاد وایما پر ان کو اپنے ہدایا سے مالا مال کردیا کہ وہ بہت قیمت کے تھے۔ ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت خدیجہؓ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کو چالیس بکریاں اور ایک عمدہ اونٹ کا ہدیہ دیا تھا۔ (۱۰۵)

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی ایک بہن اپنی نند کے ساتھ خدمت اقدس میں آئیں تو ہدایا لائیں ان میں شہد، پنیر وغیرہ شامل تھیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو بہتر ہدایا سے نوازا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔

حضرت مسلم بن عمیر ثقفیؓ بہ قول طبرانی زیارتِ نبوی کو آئے تو ایک ہری ہانڈی ہدیے میں لائے جس میں کافور بھرا ہوا تھا: **اهديت الى رسول الله ﷺ جرة خضراء فيها كافور**۔ یہ ان کا اپنا بیان ہے جس کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے اسے مہاجرین وانصار میں تقسیم کردیا اور حضرت مسلمؓ کی ماں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ہمارے لئے اس ہانڈی/گھڑے میں نبیذ بنانا: **يا ام مسلم انتبذی لنا فيها**۔ اس زیارت کے موقع پر ثقفی صحابی کی ماں بھی ساتھ آئی تھیں۔ اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو کیا

ہدیہ دیا تھا؟ (۱۰۶)

ہدیہ شراب ناب

ایک دل چسپ ہدیہ ثقفی کا ذکر یہ ملتا ہے کہ حضرت ابوتمامؓ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو اپنے ساتھ شراب کی پکھال ''راویۃ الخمر'' بھی لائے اور آپ ﷺ کو ہدیہ کی۔ آپ نے فرمایا کہ شراب تو حرام ہے، تو بھولے پن سے عرض کیا: اچھا اس کی قیمت ہی ادا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اس کا پینا حرام کیا ہے اسی نے اس کی قیمت بھی حرام کی ہے: **ان الذی حرم شربها حرم ثمنها**۔ یہ حدیث ان ہی سے مروی ہے۔ (۱۰۷)

وفدِ ثقیف کے ہدایا

جاہلی عرب کے سماج کی ایک اور عمدہ تہذیبی روایت یہ تھی کہ وافد شخص اور وفودِ قبیلہ اپنے ساتھ ہدایا لاتے تھے۔ کسی دوسرے شیخِ قبیلہ کے علاقہ یا مرکز میں جاتے تو اس کے لئے ہدایا ساتھ ہوتے تھے اور وفد کئی ارکان پر مشتمل ہوتا تو ہدایا کی تعداد بھی اتنی ہی ہوتی۔ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں جو وفود عرب قبائل کے آئے خواہ وہ مکی دور میں مکہ آئے ہوں یا مدنی دور کے مختلف زمانوں میں وہ بلا استثناء آپ ﷺ کے لئے ہدایا لاتے تھے جو ان کے اپنے علاقہ کی خاص چیزوں۔ زرعی پیداوار، لباس، مصنوعات وغیرہ۔ پر مشتمل ہوتے تھے۔ اسی روایت عرب کی پاسداری میں ثقیف کا وفد جب صلح ومحبت کے معاہدے کے لئے مدینہ منورہ آیا تو آپ ﷺ کے لئے ہدایا لایا۔ (۱۰۸)

سنتِ ہدیہ

رسولِ اکرم ﷺ کی ایک اور سنتِ ہدیہ یہ تھی کہ تمام وافدوں، آنے جانے والوں بالخصوص وفودِ عرب کے ارکان کو آپ ﷺ ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق چھوٹے بڑے ہدایات عطا فرماتے تھے اور اس میں کسی قسم کا امتیاز وتفریق نہیں فرماتے تھے۔ یعنی اکابرِ وفد کے ساتھ ان کے بچوں اور عورتوں اور خادموں کو بھی یاد رکھتے تھے۔ یہ رحمتِ عالم ﷺ کی بہ یک راں محبت اور اتھاہ مروت کی سنت تھی۔ وفد/وفودِ ثقیف میں آنے والے اکابر وارکان کے بارے میں ہدایائے باہمی کا ذکر نہیں کیا جاتا، جیسا کہ ابن سعد وغیرہ تمام بڑے مآخذ میں ہے۔ لیکن یہ اپنی جگہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان کو بھی رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے خاص ہدایا سے نوازا تھا جن کو ''جوائز'' کہا جاتا ہے۔ بہر حال بعض سوانحی تذکروں میں اکا دکا د

روایات ان کے متعلق مل جاتی ہیں:

حضرتِ موہب بن عبداللہ بن خرشہ ثقفیؓ وفدِ ثقیف میں شامل تھے۔ ان کو ابوسہل کی کنیت عطا فرمائی تھی اور ہدیہ بھی۔ (۱۰۹)

ایک عبشمی خاتون کی سماجی روایت

خاندان بنوعبدمناف کے ایک اہم ترین گھرانے بنوعبدشمس کی ایک خاتون ام حبیب بنت عبدشمس بن مناف، جوسربراہ خاندان کی دختر تھیں، کے بارے میں ایک واقعہ بہت تفصیل سے تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے جو جاہلی سماجی روایات میں سے ایک کو اجاگر کرتا ہے۔ ازدواجی تعلقات میں اس کا مختصر حوالہ آچکا ہے کہ موصوفہ خود مکہ مکرمہ سے کسی وجہ سے طائف چلی گئیں اور وہاں کے ایک مشہور خاندان بنوعقیل سے جاکر وابستہ ہوگئیں، اور اس کے ایک شخص سے تعلق قائم کر کے وہاں جائداد و مال بنالیا۔ اس واقعے نے عرب جاہلی کے سماج میں خاصا خلفشار پیدا کیا۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ام حبیب بن بنت عبدشمس طائف روانہ ہوئیں اور بنوعقیل کے ایک شخص سے سواری کرائے پر لی جو اسے لے کر چلے۔ جب وہ راستے میں تھے تو بنوبکر کے کچھ لوگ ملے اور انھوں نے ام حبیب اور ان کے رفیقوں کا نسب پوچھا تاآں کہ وہ عقیلی شخص تک پہنچے اور اس کے بارے میں پوچھا ام حبیب نے اسے بھی بتادیا۔ بنوبکر کے لوگوں نے اسے قتل کردیا۔ ام حبیب مکہ واپس آئیں تو ان سے حرب بن امیہ ملاقات کے لئے آئے۔ ام حبیب نے ان سے اپنے صاحب کے قتل و معاملے کے بارے میں شکایت کرتے ہوئے کہا ''میں اس وقت تک اپنا دوپٹہ نہیں پہنوں گی جب تک اس شخص کا بدلہ نہ لے لیا جائے: لا البس خماری حتی ادرك به۔ حرب نے ان کو دوپٹہ اوڑھنے کا مشورہ دیا کہ بنوبکر سے قصاص لینے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ام حبیب ان کے پاس سے نکل کر ربیع اور ربیعہ عبشمی سے ملیں اور ان سے شکوہ کیا اور حرب کی بات بھی کہہ سنائی۔ بہرحال وہ عقیلی کے لئے روتی دھوتی رہیں، یہاں تک کہ دونوں عبشمی حضرات ان کے ساتھ مقیم رہے اور ان کے لئے دیت وصول کرلی، جسے ام حبیب نے اھل العقیلی کے پاس بھیج دیا۔ بنوعقیل کے الخلیج نامی شاعر نے اس پر تین اشعار کہے جو زبیری نے نقل کئے ہیں اور جن میں ربیعہ و ربیع فرزندانِ عبدالعزیٰ بن عبدشمس کے دیت ادا کرنے کا ذکر ہے۔ انھیں ربیع بن عبدالعزیٰ عبشمی کے فرزند حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ تھے جو رسولِ اکرم ﷺ کے بڑے داماد، صاحب زادی حضرت زینبؓ کے شوہر اور حضرت خدیجہؓ کی بہن حضرت ہالہؓ بنت خویلد کے فرزند تھے۔ (۱۱۰)

دیت ادا کرنے کی سماجی روایت کا ذکر حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ کے حوالے سے بھی آتا ہے کہ ان کی لوٹ مار اور قتل و غارتگری کی دیت حضرت عروہ بن مسعود ثقفی نے ادا کی تھی اور اس میں حضرت ابو بکر صدیق قریشیؓ نے دس اونٹوں کا حصہ ڈال کر ان کی مدد کی تھی۔

ثقفی یا قریشی مقتولوں کی دیت وقصاص کے بعض اور واقعات بھی ہیں جیسے عہد مدنی میں حضرت ابو بصیر ثقفیؓ نے جس عامری شخص کو قتل کر دیا تھا اس کی دیت ادا کرنے کے معاملے پر اخنس بن شریق ثقفی کا اکابر قریش سے اختلاف ہوا تھا۔

ترکہ اور شادی

ایک سماجی اور اقتصادی مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک ثقفی شخص لاولد فوت ہو گئے۔ ان کا مقدمہ بابت میراث و ترکہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس کا فیصلہ کرتے ہوئے اس مرحوم ثقفی کی میراث حضرت وہب بن امیہ بن ابی الصلت بن ربیعہ بن عوف ثقفیؓ کو عطا فرمائی۔ ان ثقفی صحابی اور صاحبِ ترکہ حضرت وہب بن امیہ ثقفی کی دختر حضرت حقہ بنت وہب ثقفیؓ سے عبداللہ بن صفوان الاکبر بن امیہ بن خلف جمحیؓ نے شادی کر لی اور ان سے ان کے فرزند حضرت صفوان بن عبداللہ بن صفوان جمحیؓ پیدا ہوئے۔ (۱۱۱)

اقطاعِ نبوی

بہ حیثیت سربراہِ مملکتِ اسلامی اور اس سے زیادہ بہ طور رسولِ آخر الزماں ﷺ آپ اپنے صحابہ کرام کو ان کے خدمات کے عوض، ان کی ضروریات کے مطابق اور ان کی فرمائش وخواہش پر آراضی کے قطعے عطا فرماتے تھے جو قطیعہ/ قطائع کہلاتے تھے۔ تنظیمِ ریاست وحکومت نبوی کا یہ باب کافی وسیع ہے اور اس پر کافی مواد پیش کیا جا چکا ہے لیکن ابھی تک ایک جامع تحقیقی تجزیہ باقی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی سیاسی وانتظامی سنتِ مستقلہ کے مطابق متعدد ثقفی حضرات کو بھی قطائع سے نوازا تھا جن کا ذکر بعض مآخذ بالخصوص سوانح وتراجم کے تذکروں میں ملتا ہے۔ خلفائے راشدین نے اسلامی خلافت کے مختلف ادوار میں اس سنت کو قائم کر رکھا تھا۔ مثلاً حضرت نافع بن حارث کلدہ ثقفیؓ کو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے بصرے میں دس جریب آراضی کا قطیعہ عطا فرمایا تھا۔ (۱۱۲)

دیارِ ہوازن وثقیف کے متعدد لوگوں کو بھی اپنے وطن یا اس کے قریبی علاقوں میں قطائعِ نبوی ملے تھے، اور ظاہر ہے کہ وہ اسلامِ ثقیف کے بعد ہی دیے گئے تھے، کیوں کہ اس سے قبل ہوازن وثقیف نے اسلام قبول کیا تھا اور نہ ان کے علاقوں پر رسولِ اکرم ﷺ کی بالادستی قائم ہو سکی تھی۔ اس علاقے کے ایک

قبیلہ بنوقشیر کے ایک صحابی حضرت ثور بن عروہ قشیریؓ کو وادی عقیق میں دو قطائع ملے تھے جن کے نام تھے جمام اور سد۔ حضرت رفادؓ بن ربیعہ کو بھی ایک اقطاع ملا تھا جس کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ حضرت ثمنؓ بن عمرو بن حجر کو الرسلین اور الدرکاء نامی علاقوں کے درمیان ایک مقام پر ایک اقطاع عطا ہوا تھا۔ ان تمام قطائع نبوی کا ذکر تفصیل کے ساتھ عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت میں کیا گیا ہے۔ (۱۱۳)

بنوسعد کے ایک صحابی حضرت مشمرخ بن خالد سعدیؓ کو ان کے وطن کے میدانی علاقوں میں واقع ایک چشمہ مع آراضی عطا ہوا تھا۔ (۱۱۴)

کتاب وکتاب خوانی

قرآن مجید اور رسولِ اکرم ﷺ کے مبارک الفاظ میں عرب قوم بالعموم اور قریشِ مکہ بالخصوص امیین (ان پڑھ) تھے۔ سیرت وسوانح اور تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں آتا ہے کہ بعثتِ نبوی کے قریب مکہ وقریش میں صرف سترہ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں بہت وضاحت سے آتا ہے کہ آپ ﷺ لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے تھے اور خالص امی رسول تھے۔ لہٰذا ایسی قوم اور ایسے معاشرے میں کتاب کا تصور بھی محال نظر آتا ہے اور کتاب خوانی اور مطالعہ کرنے کا تمدنی وعلمی معاملہ افسانہ لگتا ہے، لیکن بہ ہر حال اس امی قوم اور امی معاشرے میں کتابیں بھی تھیں اور ان کے پڑھنے والے بھی تھے اور ان میں سے بعض بعض تو لکھنے والے بھی تھے۔ (۱۱۵)

قریشِ مکہ میں حضرت ورقہ بن نوفل اسدی قریشیؓ کے بارے میں تمام مآخذ میں یہ ذکر ضرور ملتا ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور حنیف اور بعد میں نصرانی بن جانے کے بعد بعثتِ نبوی سے قبل نصرانی عالم بن گئے تھے اور اپنے مطالعے سے بنے تھے اور ان کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ صحیحین کی روایات و احادیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ عبرانی زبان میں کتابیں لکھا کرتے تھے، انجیل کا ترجمہ بھی عبرانی زبان میں کیا تھا۔ حدیثِ بخاری میں متن ہے:

وكان يكتب الكتاب العبراني فيكتب من الانجيل بالعبرانية ماشاء الله ان يكتب (۱۱۶)

امیہ بن ابی الصلت ثقفی کی کتاب خوانی

امیہ بن ابی الصلت ثقفی غالباً پورے ثقیف وطائف میں ایسے واحد شخص تھے جو کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ ان کو دین ومذہب سے دلچسپی تھی اور اپنی بعثت ونبوت کی امید بھی لہٰذا وہ یہودی اور نصرانی علما اور

بزرگوں کی کتابیں بہت پڑھا کرتے تھے۔ تجارتی روابط کے بیان میں یہ ذکر آچکا ہے کہ وہ تجارتی اسفار کے دوران جہاں بھی قیام کرتے دینی کتابیں اور مذہبی دفاتر کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور ان کو حاصل بھی کرتے تھے۔ طائف میں ان کے پاس کتابوں کا خاصا ذخیرہ بھی تھا اور وہاں بھی وہ مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ غالباً ان کی یہ لائبریری/کتاب خانہ بہت معروف تھا۔ اس واقعے سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہر مقام ومرکز پر کتابیں حاصل کرتے تھے اور صاحبان علم سے علم حاصل کرتے رہتے تھے۔ (۱۱۷)

علوم اور ٹیکنالوجی

عرب ثقافت وسماج میں قلعہ سازی، شہر کی فصیل بندی اور فنِ تعمیر کی دوسری چیزیں بعض مقامات پر ارتقا پذیر ہوئی تھیں۔ جاہلی عرب میں جن سے قریشِ مکہ کا واسطہ فوری اور قریبی پڑا ان میں پڑوسی شہر طائف اور مغربی شاہراہ تجارت پر مدینہ اور خیبر تھے۔ شہر طائف کی ایک خصوصیت یہ تھی وہ پہاڑی سلسلے میں بلندی پر واقع تھا جب کہ مدینے اور خیبر کے آطام (گڑھیاں) اور قلعے پست پہاڑیوں اور بلند ٹیلوں پر بنائے گئے تھے، بہرحال سطح زمین سے ان کی خاصی بلندی نے ان کو فوجی لحاظ سے خاصا مستحکم بنادیا تھا۔ خود مکہ مکرمہ میں ایسی کسی قلعہ سازی کی ضرورت نہ تھی کہ وہ مقدس شہر ہونے کے سبب ہر قسم کی تگ وتاز اور حملے سے محفوظ تھا۔ (۱۱۸)

شہر وقلعہ طائف کی حصار بندی اور فصیل سازی کے بارے میں دو روایات ملتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی تعمیر کے لئے ایران کے شاہ کسریٰ نے ایک ایرانی انجینئر (مہندس) کو بھیجا تھا اور اسی نے اس کی تعمیر کی تھی۔ یہ ایران وثقیف کے اکابر کے باہمی معاہدے کا نتیجہ تھا۔ دوسری روایت کے مطابق ایک حضرمی تاجر نے جنوبی عرب کے ماہرین تعمیرات کی مدد سے شہر طائف کی قلعہ بندی اور حصار سازی کی تھی۔ ان دونوں روایات میں تطبیق یوں دی جاسکتی ہے کہ دونوں قسم کے ماہرین اور انجینئروں نے مختلف حصوں کے حصار وفصیل کی تعمیر کی تھی، کیوں کہ اس کا رقبہ کافی تھا اور وہ صرف ایک شخص کی مہارت ومحنت سے نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ اس کے لئے متعدد بل کہ بہت لوگوں کی ضرورت تھی۔ (۱۱۹)

قلعہ طائف کی فوجی مضبوطی اور تعمیراتی طاقت کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کے فوجی اور حکمراں اور عوام ایک دو سال کا سامانِ رسد اور سامانِ جنگ قلعہ کے اندر جمع کرکے کسی بھی بیرونی حملہ آور کا دفاع اتنی مدت کے لئے کرسکتے تھے اور تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ ان کی دفاعی طاقت اور قلعے کی مضبوطی ایسی ہی تھی۔ جاہلی دور میں بھی انھوں نے اس کا دفاع کیا تھا۔ عہدِ نبوی اسلامی میں رسولِ

اکرم ﷺ کا طاقت ور لشکر ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس تھا اور عددی اعتبار سے بھی بہتر تھا۔ لیکن ایک خاصی بڑی مدت تک قلعہ طائف کا محاصرہ جاری رکھنے کے باوجود اس کی دفاعی قوت نہیں توڑی جا سکی اور بالآخر محاصرہ اٹھانا پڑا، حال آں کہ محض سال دو سال قبل کم تر طاقت کے اسلامی نبوی لشکر نے خیبر کے مضبوط قلعوں کے ایک سلسلے کو فتح کر کے صلح پر مجبور کر دیا تھا۔ (۱۲۰)

قلعہ شکن آلات

عہدِ نبوی میں اسلامی لشکر کو سب سے پہلے آلات قلعہ شکن جیسے دبابہ/ دبابات، عرادہ/ عرادات اور منجنیق کا تجربہ غزوہ خیبر کے دوران اس کے بعض یہودی قلعوں میں ہوا تھا۔ مسلمانوں نے ایک آدھ منجنیق کو قابلِ استعمال بھی بنا لیا تھا اور اس کے کارگر اور نقصان دہ حملہ کا خوف دلا کر یہودی قلعہ بند سپاہ اور سالاروں کو خود سپردگی اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کی یہ فوجی مہارت معمولی تھی جو قلعہ طائف کا محاصرہ توڑنے میں کام یاب نہیں ہو سکی، کیوں کہ علمی وفنی اور عملی دونوں لحاظ سے وہ کم تر تھے۔ اس کے باوجود جب اسلامی لشکر نے ایک دبابہ کے ذریعے دیوارِ قلعہ پر چڑھنے کی کوشش کی تو طائف کے سپاہیوں نے اسے ناکام بنا دیا۔ مسلمانوں کے دبابے کو جلا کر خاک کر دیا اور سپاہ اسلامی کو تیروں، آتشیں تیروں، سے مار مار کر زخمی اور پسپا کر دیا۔ اس مقابلے میں انھوں نے نفتہ (آگ زن مادہ) کا استعمال کیا تھا، آتشیں تیروں کی ٹیکنیک آزمائی تھی اور پتھروں سے بھی کام لیا تھا۔ (۱۲۱)

ثقیفِ طائف کے اکابر اور حکم راں دونوں نے شروع سے اپنے شہر وقلعہ کی فوجی اور ٹیکنیکی محافظت کے انتظامات کئے تھے۔ فصیلِ قلعہ پر تیر اندازوں اور پتھر پھینکنے والوں کے موکھے بنائے تھے، آگ وشعلہ/ نفتہ کی ٹیکنیک اپنائی اور سیکھی تھی اور آلات قلعہ شکن دبابات، عرادات اور منجنیق بنانے، ان کو استعمال کرنے اور ان کے استعمال کے خلاف اپنی حفاظت میں توڑ کرنے کا طریقہ سیکھا تھا۔ غزوۂ طائف کے بیان میں یہ ذکر بہت اہمیت کا حامل ہے کہ ثقیف کے ایک بڑے سردار عروہ بن مسعود ثقفی اس وقت موجود نہ تھے، کیوں کہ وہ جنوب عرب/ یمن میں منجنیق وغیرہ کی ٹیکنیکی تعلیم وتربیت کے لئے گئے تھے اور ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ دوسرے ثقفی ماہرین بھی گئے تھے۔ (۱۲۲)

رسولِ اکرم ﷺ نے جس طرح غزوۂ خیبر کے دوران جنگی آلات کی تعلیم وتربیت اپنے سالاروں کو دلائی تھی اسی طرح غزوۂ طائف کے دوران اس کا استعمال کیا تھا لیکن وہ محاصرہ توڑنے کے لئے کافی نہیں ثابت ہوا، لہٰذا اس کے بعد ہی آپ ﷺ نے اس خاص حربی ٹیکنیک اور ٹیکنیکی تعلیم کے لئے اپنے

صحابہ کرامؓ میں سے بعض کو یمن کے مراکزِ حرب ورزم بھیجا تھا جن میں حضرت طفیل بن عمرو بن طفیل دوسیؓ اہم تھے۔ وہ اپنے بعض اصحاب کے ساتھ خاص اس کی تعلیم وتربیت حاصل کر کے آئے اور دبابہ، عرادہ اور منجنیق وغیرہ کا استعمال وطریقہ اسلامی فوج میں عام ہوا، اگرچہ اس کا استعمال عہدِ نبوی میں نہیں ہو سکا مگر خلافتِ اسلامی کے اولین دور ہی میں اس ثقفی ٹیکنیک وتعلیم نے کارگر نتائج سے ہم کنار کیا۔ (۱۲۳)

رسولِ اکرم ﷺ اور اسلام سے ثقیفی روابط

بعثتِ نبوی سے قبل رسولِ اکرم ﷺ کا ثقیف وہوازن سے بہ راہ راست رابطہ مختلف ومتنوع قسم کا تھا۔ آپ ﷺ کا اولین ارتباط پیدائش کے ایک ماہ کے اندر ہی ان کے ایک مشہور خاندانِ رضاعت بنو سعد بن بکر سے ہو گیا تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعت، حضانت اور پرورش وپرداخت کے کل پانچ برسوں میں ان کے دیارِ محبت میں مستقل قیام کیا تھا۔ اس دوران آپ ﷺ نے دیارِ سعد بن بکر میں جو شخصی تجربات کئے ان کو بہ طور نکات ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

دو برس کی مدتِ رضاعت میں آپ ﷺ نے جسم وجان کی نشو ونما کے لئے بنیادی غذائیں وہیں کھائیں۔ دودھ کے علاوہ آپ ﷺ نے اناج اور گوشت وغیرہ کا اولین ذائقہ وہیں جانا تھا۔

عربی زبان آپ ﷺ کے قریشی خون میں ضرور تھی مگر مادری زبان کی اصل شد بد حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں حاصل کی تھی۔ ثقیف وہوازن کی عربی زبان بھی ٹکسالی تھی اور قریشی زبان ولہجے کی مانند فصیح ترین تھی اسی لئے آپ ﷺ افصح العرب بھی تھے۔

اسی دیارِ محبت والفت میں رسولِ اکرم ﷺ نے چلنا سیکھا تھا۔ آپ کی چال کی متانت وجلالت شمائل نبوی کا ایک باب ہے۔ اس کی خاص تربیت رضاعی ماں کے گھر میں ملی تھی۔ انسان کی چال کے بارے میں یہ قطعی امر ہے کہ وہ بچپن سے ہی ایک خاص نہج وانداز اختیار کر لیتی ہے اور ہر شخص کی چال الگ بھی ہوتی ہے۔

بچپن کے کھیل، جن کی تفصیل نہیں ملتی، آپ ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر اور اس کے قرب وجوار میں سیکھے تھے۔ ان کے ساتھ بعض فنون بھی سیکھے تھے جن میں پیراکی اور تیراندازی بھی شامل تھی۔ وہ بچوں کے کھیل بھی تھے۔ ابن حجر نے اصابہ میں محمد بن المعلیٰ کی کتاب التوقیص کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت شیما رسولِ اکرم ﷺ کو بچپن میں گردش دیتی تھیں (ترقص) اور گاتی تھیں:

یا ربنا ابق لنا محمدا

حتی اراہ یا وامردا

ثم اراه سیدا مسودا

واکبت اعادیه والحسدا

واعطه عزا یدوم ابدا

نبوی کارِ چرواہی ، رعی غنم ، کا پہلا سبق آپ ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ اسی مقامِ محبت پر پایا تھا۔ روایات میں وضاحت سے آتا ہے کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ قرب وجوار کے علاقے میں جاتے تھے اور چرواہی کا کام بھی کرتے تھے۔

اس سے زیادہ اہم واقعہ جو عالم تکوینی کا بھی ہے اور عالم تشریعی کا بھی، معجزہ شق صدر ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا سینہ مبارک اولین بار اسی زمانے اور اسی علاقے میں چاک کر کے دل مبارک کو صاف کیا گیا تھا۔

بنو سعد بن بکر کے علاقے کے ان تمام مقاماتِ محبت سے آپ ﷺ کی واقفیت اسی بچپن کی یادگار بن گئی تھی۔ اس کا ذکر روایات میں تو نہیں ملتا مگر مدینے کی بچپن کی یادوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اپنے رضاعی گھرانے سے بالخصوص اور ان کے قرب وجوار میں آباد بنو سعد بن بکر کے لوگوں سے آپ ﷺ نے تعارف حاصل کیا تھا اور ان کے ساتھ رہنا اور زندگی گذارنا سیکھا تھا۔ گویا کہ سماجی زندگی اور بشری معاشرت کی اصل تعلیم وہیں پائی تھی۔

آپ ﷺ کے رضاعی خاندان کے افراد سے آپ کے محبت بھرے واقعات وروایات کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے علاوہ آپ ﷺ کے رضاعی باپ حضرت حارثؓ بن عبد العزیٰ بن رفاعہ سعدی، رضاعی بہنیں حضرت شیماءؓ جن کا اصلی نام حذافہ تھا اور انیسہؓ اور دو بھائی حضرت حذیفہؓ اور عبداللہ ثقفیؓ سعدی تھے۔ موخر الذکر کے ساتھ آپ ﷺ دودھ میں شریک تھے۔ آپ ان بھائی بہنوں کے ساتھ کھیلتے اور زندگی بسر کرتے تھے۔ ان میں سے خاص ربط بلکہ تعلق خاطر حضرت شیماءؓ کو تھا کہ والدہ ماجدہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی مشغولیت کے دوران وہی رسولِ اکرم ﷺ کو کھلاتی پلاتی اور آپ کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ان کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی۔ ایک بار گود میں اٹھائے ہوئے کھلا رہی تھی کہ آپ ﷺ کو بے تحاشا گدگدانا شروع کر دیا۔ زچ ہو کر آپ نے ان کے شانے پر اپنے دندانِ مبارک ثبت کر دیے جس نے زندگی بھر کے لئے نشانِ محبت بنا دیا۔ اسی کو پہچان کر آپ ﷺ نے حضرت شیماءؓ کو مدتوں بعد غزوۂ حنین کے بعد سنہ ۸ھ/ ۶۳۰ء میں پہچانا اور اکرام کیا تھا۔ (۱۲۴)

حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہاشمیؓ کی رضاعی ماں حضرت خولہ سعدیہؓ کی ایک دن کے بقدر رضاعتِ نبوی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ان کے خاندان اور ان کے افراد وغیرہ سے ضرور متعارف رہے تھے۔

اگر چہ روایات میں آپ ﷺ کے رضاعی خاندان اور اس کے افراد کے مکہ مکرمہ آنے اور آپ سے بعثت سے قبل ملاقات کرنے کا ذکر نہیں آتا لیکن یہ قطعی فطری ہے کہ وہ مختلف اوقات میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے سرپرستوں کے پاس آتے رہے تھے اور ان سے حسنِ سلوک پاتے رہے تھے۔ رضاعی رشتے داروں کے آنے جانے، زیارت وملاقات کرنے کے واقعات سے یہ فطری اور سماجی ریت بلاشبہ ثابت ہوتی ہے۔

بعض روایات میں بہ ہر حال یہ ذکر آیا ہے کہ حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدیؓ سے ملنے آپ ﷺ کی شادی کے بعد آپ ﷺ کی رضاعی مائیں آئی تھیں یا آیا کرتی تھیں اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے اہل وعیال ان میں شامل تھے۔ یہ کوئی عجوبہ بھی نہیں ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ نے ان کی مدارات کی تھی اور ان کو مال ودولت سے بھی نوازا تھا۔

نبوی تجارتی مشاغل کے زمانے میں آپ ﷺ کے اس علاقے میں جانے، وہاں کے بازاروں اور ان کے تاجروں سے لین دین کرنے اور دوسرے ثقفی تجار اور شیوخ واکابر سے ملاقات کے امکان کو یک سر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

واقعہ شقِ صدر

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں قیام کے آخری زمانے میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا اور وہی آپ ﷺ کی مکہ واپسی کا فوری محرک بن گیا۔ معجزہ شقِ صدر کا اصل معاملہ تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ اور آپ ﷺ کے عالمِ ملکوت سے راست تعلق کا ہے لیکن ثقفی علاقے میں رضاعی گھرانے میں پیش آنے والے اس اہم ترین تکوینی واقعہ کی چند جہات ثقفی عزیزوں سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن رسولِ اکرم ﷺ اپنے رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ گھر کے باہر چرواہی کرنے اور کھیل کود کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کی ایک روایت اہلِ سیر وغیرہ نے رسولِ اکرم ﷺ کی ایک مرفوع حدیث کی بنا پر بیان کی ہے اور دوسری آپ ﷺ کے ایک رضاعی بھائی کی روایت ہے۔ دوسری روایت ثقفی/ سعدی کے مطابق، کہ وہ اس وقت زیادہ اہم ہے، آپ ﷺ کے رضاعی بھائی گھبرائے ہوئے اپنی ماں کے پاس پہنچے اور ان سے بیان کیا کہ دو سفید پوش آئے اور انھوں نے ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ لیا، ان کا سینہ چیرا اور اس میں کچھ ڈھونڈنے لگے۔ ماں باپ اور غالباً دوسرے اعزہ یہ سن کر دوڑ پڑے اور گھر کے پچھواڑے آئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ سخت وحشت زدہ اور حیران کھڑے ہیں۔ آپ

نے ان کے استفسار پر بتایا کہ وہ میرے سینہ کو چاک کر کے کچھ تلاش کرتے رہے۔ باقی تفصیل حدیثِ مرفوع میں آئی ہے۔ بہ ہر حال رضاعی والدین گھبرا گئے اور انھوں نے اسی میں عافیت جانی کہ آپ ﷺ کو دادا اور ماں کے پاس مکہ مکرمہ ہی پہنچا دیں۔ (۱۲۵)

اس واقعے کے آپ ﷺ کے رضاعی گھرانے اور آپ کی ذاتِ والا صفات سے متعلق چند اہم پہلو ہیں:

رضاعی والدین اور دوسرے لوگ اس واقعہ کی حقیقت وکنہ کو نہیں سمجھ سکے لیکن یہ سمجھ گئے کہ واقعہ مہتم بالشان ہے۔

خود آپ ﷺ نے اس پانچ سالہ سنِ شریف میں اس کی تہہ تک پہنچنے کوشش نہیں کہ ذہن قاصر تھا۔

اس معجزے کا ذکر آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ سے بھی کیا گیا اور وہ آپ کی شانِ عالی اور حفاظتِ تکوینی دونوں کو سمجھ گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی جسمانی و روحانی طہارت سے زیادہ اس واقعے نے عالمِ ملکوت سے آپ ﷺ کا تعلق ثابت کیا۔ فرشتوں کی رویت، سینہ مبارک کا چاک ہونے، قلب مطہر کی آبِ زمزم سے مزید تطہیر اور اس کے لوازم سے اولین بار آپ ﷺ کو سابقہ پڑا۔

صحیح احادیث کے مطابق اسی رضاعی گھرانے میں قیام کے زمانے میں آپ ﷺ کی کھیل کے دوران ازار اتارنے کی کوشش بھی ہوئی تھی۔ جس پر ندائے ہاتف نے تنبیہ کی کہ عریانی شانِ اقدس کے لئے زیبا نہیں اور شاید دھکا بھی لگا تھا۔ یہ دوسری ملکوتی ارتباط کی کڑی تھی۔ اس لئے اس سعدی رضاعت و پرورش و پرداخت کے پانچ سالہ دور کی بہت اہم جہات ہیں جو دینی اور غیبی اور ملکوتی بھی ہیں۔ (۱۲۶)

بعثت کے بعد شخصی اور دینی تعلقات

چالیس برس کی عمر شریف میں رسولِ اکرم ﷺ کے تعلقات شخصی اور دینی دونوں بہ یک وقت بن گئے تھے۔ اعزہ اقربا جن میں رضاعی رشتہ دار بھی شامل تھے اور خون کے قرابت دار بھی، تاجر وکاروباری، عام افراد وطبقات، شیوخ واکابر حتی کہ جان و دین کے دشمنوں سے آپ ﷺ کی ملاقاتیں اور دوسرے سماجی روابط شخصی ہونے کے ساتھ ساتھ دینی بھی تھے۔ آپ ﷺ کی نبوت و بعثت کا واقعہ نہ صرف قریشِ مکے کے لئے ایک بے انتہا حیرت انگیز واقعہ تھا بلکہ تمام عرب اور خاص کر قرب وجوار کے لوگوں کے لئے بھی تھا۔ ان کو اس واقعے سے آگاہی فی الفور ہوگئی تھی۔ زیادہ محتاط الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبوت و

رسالت کے بعد ایک مختصر عرصے میں رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کا چرچا پھیل گیا تھا۔ اس میں آپ اور جاں نثار صحابہ کی خفیہ وعلانیہ تبلیغ کا بھی کچھ حصہ تھا اور قافلے والوں (رکبان) کا بھی تھا۔ یہ تجارتی، زیارتی، دینی، معاشرتی اور شخصی انفرادی اور اجتماعی آمدورفت کے لوگ تھے۔ وہ مختلف مقاصد سے مکہ مکرمہ آتے تھے اور قریش کے لوگوں سے بالعموم اور رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے بالخصوص ملتے تھے۔ ان کی زبانوں پر نئے دین اور نئے پیغامبر کے چرچے ہوتے تھے اور وہ چرچے ان میں جستجو پیدا کرتے تھے اور ملاقات وزیارت پر ابھارتے تھے۔ اطراف واکناف عرب سے آنے والے افراد وطبقات نے اسی طرح اسلام قبول کیا تھا اور جب وطن واپس گئے تو اخبارِ نبی ساتھ لے گئے۔ جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا وہ اس امرِ واقعہ اور حقیقتِ عجیبہ کی کہانیاں ساتھ لے گئے، اور ان سے اپنے علاقوں کے لوگوں کے درمیان بسنے والوں کو ہی نہیں، راستے کی منزلوں پر عارضی قیام کرنے والوں کو بھی ان سے روشناس کیا تھا اور پیغامِ محمدی پہنچایا تھا۔ بنو ثقیف وہوازن اور طائف اور اس کے دیار کے لوگوں کا قریشِ مکہ اور رسولِ اکرم ﷺ سے ایک خاص تعلق تھا، لہٰذا وہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت سے کیوں کر واقف نہ ہوتے۔ روایات میں اس کی سند وثبوت ملتا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے رضاعی والد حضرت حارثؓ بن عبدالعزیٰ سعدی کے بارے میں متعدد سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ وہ خبرِ نبوت ورسالت محمدی سن کر مکے مکرمہ آئے اور رسولِ اکرم ﷺ سے ملاقات کر کے بہ قول شبلی پوچھا: ''یہ تم کیا کہتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دن آئے گا کہ میں آپ کو دکھادوں گا کہ میں سچ کہتا تھا۔ حارث مسلمان ہو گئے''۔ حضرت حارثؓ کے اس مکالمے کا پس منظر تاریخی روایات میں بہت دل چسپ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبوتِ محمدی کی خبر سن کر ہی مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔ (۱۲۷)

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے بعد نبوت مکہ مکرمہ آنے، آپ ﷺ سے ملاقات کرنے کا بہت محبت آمیز ذکر ملتا ہے۔ وہ جب تشریف لائیں ''تو آپ ﷺ فرطِ محبت سے کھڑے ہو گئے اور آپ میری ماں میری ماں کہہ کر لپٹ گئے'' اور ان کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ انھوں نے بھی اسلام قبول کرلیا اور ان کے بچوں نے بھی۔ ظاہر ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کیلئے سفر کر کے مکے نہیں گئی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے اہل وعیال اور خاص کر ان کے شوہر نامدار تھے۔ شبلی نعمانی نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے بعد نبوت مکہ آنے اور اسلام قبول کرنے کو بہ دلائل ثابت کیا ہے اور مختلف مآخذ سے اس کو روایتی طور سے مستند ومدلل بنایا ہے۔ (۱۲۸)

ان کی دختر حضرت شیماءؓ کے جنگ حنین کے قیدیوں میں شامل ہونے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان کے گرفتار کرنے والے مسلم سپاہیوں سے جب انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے اپنی رشتے داری کا ذکر کیا

تو ان کو خدمتِ اقدس میں لایا گیا۔ انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کو اپنے شانے پر دندانِ نبوی کی مہرِ محبت دکھائی تو آپ ﷺ رو پڑے اور ان کا اعزاز و اکرام کیا۔ اسی موقعہ پر بنوسعد، ثقیف و ہوازن کے سادات وشیوخ نے رسولِ اکرم ﷺ سے اسیرانِ جنگ کی رہائی کی درخواست کی۔ اس کے لئے انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ومحبت کا واسطہ دیا کہ ''وہ سب آپ ﷺ کی مائیں، خالائیں اور پھوپھیاں ہیں''۔ آپ ﷺ نے اسی وقت خاندان بنوعبدالمطلب کے حصہ میں پڑنے والے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا اور آپ ﷺ کی مہر انگیز مثال سے متاثر ہو کر تمام مسلم شیوخ واکابر اوران کے قبیلوں نے بھی اپنے اپنے حصے کے مسلم قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت شیماءؓ اور ان کی والدہ ماجدہ کے رشتے اور رضاعی ماں کے دودھ کی برکت سے چھ ہزار قیدی بیڑیوں سے نجات پا گئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس موقعے پر حضرت شیماءؓ کو بھیڑ بکری اور تین غلام اور ایک باندی ہدیہ کی تھی: نعما و شاء و ثلاثة اعبد و جارية (۱۲۹)

طائف سے نبوی رابطہ

بچپن میں بنوسعد بن بکر/ ہوازن کے خاندان میں رضاعتِ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے دیارِ ثقیف میں پانچ سالہ قیامِ نبوی کا واقعہ سیرتِ نبوی کا ایک بہت معروف ومشہور باب ہے۔ سیرت وحدیث اور تاریخ وتذکرے کی کتابوں میں اس پر بہت روایات ہیں۔ بالعموم تمام روایتی سیرت نگار اور مورخین اس واقعے کے بعد سنہ نبوی ۱۰/ ۶۲۰ء میں مشہور سفرِ طائف کے طویل عرصے میں طائف وثقیف سے رسولِ اکرم ﷺ کے کسی بھی رابطے وتعلق کا ذکر نہیں کرتے۔ اس سے تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ آپ پھر کبھی اس دیارِ محبت میں گئے ہی نہیں۔ حال آں کہ قدیم ترین مآخذِ سیرت اور ان میں بھی ان کے مرجع ومصدر حقیقی سیرتِ ابن اسحاق میں بعض روایات اس عمومی تاثر کی نفی کرتی ہیں۔

سیرتِ ابن اسحاق کی روایتِ یونس بن بکیر میں رسولِ اکرم ﷺ کی مشہور حنیف حضرت زید بنؓ عمرو بن نفیل عدوی سے ایک ملاقات کا واقعہ بہت دل چسپ ہے، جو رسولِ اکرم ﷺ کے کم از کم ایک قبلِ بعثت سفرِ طائف کو بہت مختصر طریقے سے بیان کرتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا اپنا بیان نقل کیا گیا ہے کہ ''میں طائف سے واپس ہوا تھا اور میرے ساتھ زید بن حارثہؓ بھی تھے۔ میں زیدؓ بن عمرو بن نفیل کے پاس سے گذرا جو اس وقت مکہ کے بالائی علاقے میں سکونت پذیر تھے۔ قریش نے ان کے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ قریش کے رواجی دین کے خلاف تھے۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ ایک توشے دان تھا جس میں گوشت تھا جو زید بن حارثہ کی تحویل میں تھا۔ میں اس وقت ایک نوجوان شخص تھا۔ اس کے

بعد کا توشے دان کے گوشت نبوی کے ذبیحے اور اس سے حضرت زیدؓ بن عمرو بن نفیل کے احتراز اور بتوں کی پوجا کی ممانعت وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس روایت میں ایک سفر طائف کا ذکر ہے، جو رسول اکرم ﷺ نے اپنی جوانی کے زمانے میں حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ بعثت سے پہلے کیا تھا اور وہ ہمارے اس مبحث کے لئے اہم ہے۔ بہ ظاہر اس روایتِ یونس بن بکیر از ابن اسحاق کو مسترد کردینے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ (۱۳۰)

ثقیف طائف میں اسلام

ہوازن وثقیف اور ان کے متعدد خاندانوں یعنی بنو سعد بن بکر وغیرہ میں اسلام کی تاریخ دیر سے شروع کی جاتی ہے۔ عام سیرت نگاروں نے یہ تاثر پختہ کردیا ہے کہ طائف کے لوگ اور ثقیف و ہوازن کے سادات مدتوں اسلام سے دور رہے۔ مکی دور میں تو ان میں تعارف بھی نہ ہوسکا اور ہوا بھی تو انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ سخت ظالمانہ سلوک روا رکھا۔ بلاشبہ سفرِ طائف (۶۲۰ء) کے موقعے پر ثقیف کے تین سرداروں اور ان کے اوباشوں نے سخت رویہ اپنایا تھا۔ لیکن بعض افراد وطبقات نے رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ حسنِ سلوک بھی کیا تھا اور بعض بعض نے اسلام بھی قبول کرلیا تھا۔ سفر طائف میں یہ حقیقت یاد رکھنے کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے وہاں پورے ایک ماہ قیام فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ کسی ثقفی گھر میں ہی سکونت واقامت فرمائی تھی۔ اس دوران آپ ﷺ کی خاطر مدارات میں خاص عرب سخاوت کا مظاہرہ بھی ہوا تھا۔ ایک ماہ قیام کے دوران اسلامی نقطہ نظر سے بہت زیادہ نتائج نہیں نکلے، لیکن اسلام کے لئے وہاں کی زمین ہموار ضرور ہوئی تھی۔ روایات میں یہ نکتہ بھی آتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اور اسلام کی طرف عام رجحان دیکھ کر ہی سردارانِ ثقیف ہتھے سے اکھڑ گئے تھے اور آپ ﷺ کو جلاوطنی یا دربدری پر مجبور کردیا تھا۔ اسلام کی اس زمین ہمواری اور قلوب گزینی ہی بعد میں ثقیف کی تبدیلی دین کی وجہ بنی تھی اور بعض خواتین نے تو اسی وقت اسلام قبول کرلیا تھا اور اس کے لئے اپنی جان تک نچھاور کردی تھی۔

نبوی سفرِ طائف

اسلام کی تاریخ اور رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت میں نبوی سفرِ طائف کی بہت اہمیت ہے جو ابھی تک پوری طرح بیان نہیں کی جاسکی۔ مختلف قدیم وجدید سیرت نگاروں نے چند روایات یا متعدد روایات بیان کردی ہیں مگر ان کا پورا تجزیہ نہیں کیا، صرف جزوی تحلیل کی گئی ہے۔ مکہ مکرمہ سے باہر رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے پہلے سفرِ دعوت ونصرت کے لئے طائف کا انتخاب کیوں کیا تھا؟ مکہ وطائف کے درمیان کیا روابط تھے؟ سفرِ طائف کی غرض وغایت کیا تھی؟ اس سفر میں شریک کار کوئی تھا یا نہیں تھا؟ طائف میں قیام نبوی کی

مدت کیا تھی؟ اس کے نتائج کیا نکلے؟ ان سوالات اور ان جیسے دوسرے سوالات کا جواب ہر سیرت نگار نے بالخصوص جدید سیرت نگاروں نے اپنے فکر وفہم کے مطابق دیا ہے۔

اردو سیرت نگاری کے رجحان خیز وعہد ساز امام شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ ''ابو طالب اور حضرت خدیجہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا، اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت ﷺ کو ستاتے تھے...... اہلِ مکہ سے تو قطعی نا امیدی تھی، اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں''۔ (۱۳۱) مولانا موصوف کے فکر و بیان کی بازگشت بعد کے تمام اردو سیرت نگاروں کی تحریروں میں ملتی ہے، صرف بعض بعض مقامات پر جزوی اضافے ہیں۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری قمرطراز ہیں: ''خواجہ ابو طالب کے انتقال کے بعد کفار نے حضور ﷺ کے ساتھ زیادہ گستاخیاں شروع کردیں اور ان کی شرارتیں بہت بڑھ گئیں...... قریش کے بعد دوسرا زبردست قبیلہ بنی ثقیف کا طائف میں تھا۔ آپ ﷺ نے خیال کیا شاید یہ لوگ خدا کی طرف رجوع کریں اور خدا کے دین کی حمایت کریں اس لئے آپ ﷺ نے شوال کی ۲۶ یا ۲۷ تاریخ کو مبعث کے دسویں سال زید بن حارثہؓ کو ساتھ لے کر طائف کا سفر کیا''۔ (۱۳۲) مولانا ادریس کاندھلوی نے سرخی لگائی ہے ''دعوت اسلام کے لئے طائف کا سفر'' اور اس کے تحت بیان کیا ہے: ''ابو طالب کے بعد آپ ﷺ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہؓ کے رخصت ہو جانے کے بعد کوئی تسلی دینے والا اور غم گسار نہ رہا۔ اس لئے آپ ﷺ نے قریشِ مکہ کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر اخیر شوال ۱۰ نبوی میں طائف کا قصد فرمایا کہ شاید یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کریں اور اس کے دین کے حامی اور مددگار ہوں، زید بن حارثہؓ کو ہم راہ لے کر طائف تشریف لے گئے''۔ (۱۳۳) قاضی محمد سلمان منصور پوری کا بیان ہے کہ ''اگرچہ ابو طالب کا سہارا جاتا رہا، اگرچہ خدیجہ جیسی بیوی، جو مصیبتوں اور تکلیفوں میں نہایت غم گسار تھی، جدا ہوگئی نبی ﷺ نے اب زیادہ جوش سے وعظ کا کام شروع کردیا۔ چناں چہ تھوڑے ہی دنوں بعد نبی اللہ مکے سے نکلے اور بیرونجات کو وعظ کے لئے تشریف لے گئے۔ نبی ﷺ کے ساتھ اس سفر میں زید بن حارثہؓ تھے۔ مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب کو وعظ سناتے، توحید کی منادی کرتے ہوئے نبی ﷺ پیادہ پا طائف پہنچے''۔ (۱۳۴) مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے ''بیرون مکہ دعوت اسلام'' کی جلی سرخی کے سفرِ طائف کا حال لکھا ہے کہ ''شوال ۱۰ نبوی (اواخر مئی یا اوائل جون ۶۱۹ء) میں نبی ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ یہ مکے سے تقریباً ساٹھ میل دور ہے۔ آپ ﷺ نے یہ مسافت آتے جاتے پیدل طے فرمائی۔ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ راستے میں جس قبیلے سے گذر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے

لیکن کسی نے بھی یہ دعوت قبول نہ کی''۔(۱۳۵) مولانا مودودیؒ نے سفرِ طائف کے عنوان سے لکھا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے بہ روایتِ ابن سعد و بلاذری شوال ۱۰ بعد بعثت کے آخر میں طائف کا رخ کیا جو مکہ سے ۵۰ میل شرقاً واقع ہے۔ اس سفر کا سبب یہ تھا کہ قریش کی اذیت رسانیوں سے آپ ﷺ تنگ آ گئے تھے۔ ان کی شدید مخالفت و مزاحمت دیکھ کر یہ امید نہیں رہی تھی کہ یہ لوگ دعوتِ حق کو قبول کرنا تو درکنار، اسے جاری رکھنے کی بھی کوئی گنجائش آپ ﷺ کے لئے باقی رہنے دیں گے۔ اس لئے آپ ﷺ چاہتے تھے کہ طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور وہاں کے طاقتور قبیلے بنی ثقیف کو کم از کم اس بات پر آمادہ کرلیں کہ وہ آپ ﷺ کو اپنے ہاں پناہ دے اور دعوتِ اسلامی کے کام میں آپ ﷺ کی مدد اور حمایت کرے۔ ابن سعد نے جبیر بن مطعم بن عدی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت زیدؓ بن حارثہ گئے تھے۔ یہی ابن قتیبہ اور بلاذری کا بھی بیان ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تنہا تشریف لے گئے تھے۔ یہ سفر آپ نے پیدل کیا، کوئی سواری آپ ﷺ کو میسر نہ تھی''۔(۱۳۶)

مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کی عربی عبارت مولانا شبلی کا حسین ترجمہ ہے:

ولما مات ابو طالب نال رسول الله ﷺ من قريش من الاذیٰ مالم تكن تطمع فيه قريش في حياة ابی طالب، حتی اعترضه سفيه من سفهاء قريش، فنثر علی رأسه ترابا، ولما اشتد اذی قريش وانصرافهم عن الاسلام، وزهدهم فيه، خرج رسول الله ﷺ الی الطائف يلتمس النصرة من ثقيف وان يد خلوافی الاسلام، وكان له امل فی اهل الطائف (١) ، ولا غرابة فی ذلك فانه رضع فی بنی سعد و هم بمقربة من الطائف وفيهم مراضعه وحواضنه (۱۳۷)

مآخذِ سیرت کے بیانات وروایات

متاخر و جدید سیرت نگاروں نے دراصل ابن اسحاق کی روایت پر پورا انحصار کر کے اسی کا بیان نقل کر دیا ہے۔ ان کی عبارت ہے:

قال ابن اسحاق: ولما هلك ابو طالب نالت قريش من رسول الله ﷺ من الاذی مالم تكن تنال منه فی حياة عمه ابی طالب، فخرج رسول الله ﷺ

الی الطائف یلتمس النصرة من ثقیف، والمنعة بهم من قومه، ورجاء ان یقبلوا منه ماجاء هم به من الله عزوجل، فخرج الیهم وحده (۱۳۸)

ابن سعد نے ایک دوسری روایت محمد بن جبیرؒ بن مطعم سے ابن اسحاق کے مانند مختصراً نقل کی ہے جس میں بعض اختلافات واضافات بھی ہیں: **لما توفی ابو طالب تناولت قریش من رسول اللہ ﷺ**۔ ابن سعد کو یہ روایت امام واقدی سے ملی تھی اور ان کے بارے میں مزید صراحت یہ بھی کی ہے کہ امام موصوف نے اس اسناد کے علاوہ بھی اس خبر کو بیان وروایت کیا ہے۔(۱۳۹)

طبری نے اگرچہ رسولِ اکرم ﷺ کے سفر طائف کی روایت ابن اسحاق کے راوی مدینہ سلمہ بن فضل سے نقل کی ہے لیکن اپنے دستور وتعارف کے مطابق انھوں نے اس سفرِ نبوی کا اصل مقصد پالیا ہے، کیوں کہ وہ اس سفر کو ثقیف سے امداد ومحافظت از قریش کے لئے بتاتے ہیں:

ولما هلك ابو طالب خرج رسول الله ﷺ الی الطائف یلتمس من ثقیف النصر و المنعة له من قومه (۱۴۰)

دوسرا بیان مآخذ

ابن اسحاق/ ابن ہشام کی روایت یا بیان سے مختلف ایک روایت دوسرے مآخذ میں ملتی ہے، جن میں ابن سعد کی طبقات سرفہرست ہے۔ اس کے مطابق حضرت حکیمؓ بن حزام اسدی کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کے پے در پے انتقال کے بعد آپ ﷺ کو دو مصیبتوں کا سامنا ہوا۔ لہٰذا آپ ﷺ گھر میں بیٹھ رہے اور کم باہر نکلتے تھے، کیوں کہ قریش آپ کے ساتھ زیادہ برا سلوک کرنے لگے۔ اس کی خبر جب ابولہب کو پہنچی تو وہ آپ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے: ''اے محمد! جو تمہارا ارادہ ہو وہ کرتے رہو اور ابو طالب کی زندگی میں بھی جو کچھ کرتے رہے تھے، وہ بھی جاری رکھو۔ لات کی قسم! میری زندگی میں ان کا شر تم تک نہیں پہنچے گا''۔ ابن الغیطلہ نے رسولِ اکرم ﷺ کو برا بھلا کہا تو ابولہب نے اس کی خوب خبر لی۔ ابولہب کی واپسی پر وہ ظالم چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: اے قریش کے لوگو! ابوعتبہ تو بددین ہو گئے۔ قریش نے ابولہب کے دروازے پر دھاوا بول دیا اور ان سے سوال کیا۔ ابولہب نے ان کو بتایا: میں نے عبدالمطلب کا دین نہیں چھوڑا ہے، لیکن اپنے بھتیجے کی ہر تکلیف سے حفاظت کروں گا تا آں کہ وہ اپنا مقصد پالیں۔ قریش کے لوگوں نے اعتراف کیا کہ تم نے اچھا کیا، بل کہ شان دار کام کیا اور صلہ رحمی کا حق ادا کردیا۔ اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ چند دنوں تک آتے جاتے اور تبلیغ کرتے رہے اور کوئی قریشی آپ

ﷺ کے منہ نہیں آیا، کیوں کہ وہ ابولہب سے ڈرتے تھے۔ اس کے بعد عقبہ بن ابی معیط اور ابوجہل بن ہشام نے ابولہب سے کہا کہ تم اپنے والد عبدالمطلب کے انجام اخروی کے بارے میں تو پوچھ لو۔ رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان پر کہ کوئی بھی شخص جو عبدالمطلب کے دین پر مرا ہے جہنم میں جائے گا، ابولہب ناراض ہوگئے اور آپ ﷺ کی حمایت وحفاظت سے ہاتھ اٹھالیا اور مظالم بڑھ گئے۔ (۱۴۱)

تیسری روایتِ مآخذ

بعض مآخذ نے سفرِ طائف کا بیان بہت مختصر دیا ہے اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس سفر کا سبب بالکل نہیں بتایا ہے۔ ان میں سے ایک بلاذری ہیں۔ ان کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ اپنے مولیٰ حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ ابوطالب کی موت کے بعد طائف تشریف لے گئے۔ (۱۴۲)

طائف میں قیام نبوی کی مدت

متعدد جدید سیرت نگاروں بالخصوص مولانا مودودیؒ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی طائف میں دعوت اور قیام کی مدت پر اختلاف ہے۔

ابن سعد نے محمد بن جبیر بن مطعمؓ کی سند پر مروی روایتِ واقدی کے مطابق طائف میں رسولِ اکرم ﷺ کا دس روزہ قیام بتایا ہے: **فاقام بالطائف عشرۃ ایام۔**

حافظ سخاوی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے طائف میں بیس روز قیام فرمایا۔ دس دن شیوخِ طائف عبدیالیل وغیرہ سے ملاقات وگفت گو کے بعد بھی وہاں ٹھہرے تھے۔ اس دوران آپ ﷺ نے بہت سے عام لوگوں سے بھی ملاقات کی تھی۔

بعض قدیم مولفینِ سیرت نے، جن میں امام ابن قتیبہ دینوری بھی شامل ہیں، رسولِ اکرم ﷺ کے قیامِ طائف کی مدت ایک ماہ بتائی ہے۔

سفر کی متعین تاریخیں

بلاذری ان چند مورخین میں ہیں جنھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے مکہ سے طائف جانے اور طائف سے مکے واپس آنے کی متعین تاریخیں دی ہیں۔ ان کے مطابق آپ ﷺ سنہ دس نبوت کے ماہ شوال میں تین راتیں باقی تھیں کہ طائف تشریف لے گئے اور مکہ مکرمہ میں منگل کے دن ۲۳/ذوالقعدہ کو واپس پہنچے۔ اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سفر میں چھبیس دنوں کی مدت لگادی تھی۔ (۱۴۳)

طائف میں قیامِ نبوی

تمام قدیم وجدید سیرت نگاروں اور سوانح وتاریخ نویسوں نے طائف میں رسولِ اکرم ﷺ کی مدتِ قیام کی کوئی نہ کوئی روایت قبول کی ہے۔ان میں سے کسی نے یہ نہیں لکھا کہ رسولِ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے رفیقِ سفر حضرت زید بن حارثہ کلبیؓ کس کے گھر میں اتنی مدت تک ٹھہرے تھے۔کم سے کم دس دن کی مدتِ قیام تسلیم کی جائے یا زیادہ سے زیادہ یک ماہ مدتِ قیام، اس دوران آپ ﷺ کسی کے مہمان ضرور بنے تھے۔ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک آپ ﷺ خانہ بہ دوش و بے خانماں نہیں رہ سکتے تھے اور کسی مہمان کے لئے عرب روایت مہمان نوازی بھی ایسی بے مروتی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔جاہلی عرب میں تو جان کے دشمنوں اور قاتلوں تک کو مہمان داری اور خاطر تواضع سے بہ ہر حال نوازا جاتا تھا۔پھر رسولِ اکرم ﷺ تو طائف کے مختلف خاندانوں اور ان کے اکابر کے عزیز قریب تھے اور قرابت کے یہ رشتے بہت نزدیکی اور محترم بھی تھے۔دین کا اختلاف قیام نبوی میں مانع ہوسکتا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کی خاطر مدارات میں رکاوٹ بن سکتا تھا جیسا کہ بعض اہل تقویٰ کا خیال ہوسکتا ہے۔جاہلی عرب اور اسلامی ونبوی عہد میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ دین ومذہب کے فرق وامتیاز کے باوجود مشرکین نے مسلمانوں کی مہمان نوازی کی تھی جیسے مدینہ منورہ کے دو بڑے قبیلوں کے سردار حضرت سعد بن معاذ اوسیؓ اور حضرت سعد بن عبادہ خزرجیؓ دو مختلف موقعوں پر عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ آئے تو اپنے قدیم عرب دوست امیہ بن خلف جمحی کے ہاں ٹھہرے تھے، حال آں کہ دونوں اکابر صحابہ اس کے عنادِ رسول اللہ ﷺ سے خوب واقف تھے۔جاہلی عرب میں مختلف اکابرِ قبائل کے دوسرے خاندانوں خاص کر دوسرے شہروں کے خاندانوں کے گھروں میں قیام کرنے کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔(۱۴۴)

طائف میں اپنے مشہور سفر مقدس کے دوران رسولِ اکرم ﷺ نے کسی کے گھر میں قیام کیا تھا لیکن کس کے گھر میں؟ اس کے جواب میں جب تک تحقیق میزبان کا نام نہ بتادے دو تین متبادل پر غور کیا جاسکتا ہے:

اول: آپ ﷺ نے بنو عبد مناف کے دو خاندانوں بنو ہاشم و بنو امیہ کے سسرالی عزیزوں میں سے کسی کے ہاں قیام کیا تھا کیوں کہ وہ آپ ﷺ کے قریب ترین عزیز و رشتے دار تھے اور ان کی بہوئیں یا دامادآپ ﷺ کے حقیقی قرابت دار تھے۔

دوم: بنو جمح کی خاتون، جو تین سادات ثقیف میں سے کسی ایک کے گھر میں تھیں، کے مہمان بنے تھے کہ اس سے آپ ﷺ کا شیوخِ ثقیف کے برے سلوک پر مکالمہ اور شکوہ نقل کیا گیا ہے اور وہ اشارہ

دیتا ہے کہ آپ ﷺ ان کے مہمان تھے۔

سوم: رسولِ اکرم ﷺ چوں کہ ساداتِ ثقیف میں سے کسی کی حمایت ونصرت اور جوار کی طلب میں گئے تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے رئیسِ ثقیف، جو رئیس القبائل بھی تھے، کے مہمان بنے تھے اور وہ عبد یالیل بن عمرو بن عمیر ثقفی تھے کہ سب سے زیادہ محترم وباثر تھے۔

طائف میں نبوی قیام کے واقعات

بالعموم سیرت نگار طائف میں رسولِ اکرم ﷺ کے قیام کا صرف ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اور وہ ہے ساداتِ ثقیف سے ملاقات کا۔ ظاہر ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے راجح روایت کے مطابق قریب ایک ماہ تک طائف میں قیام فرمایا تھا اور اکابر وشیوخِ طائف سے ملاقات صرف ایک دن کا واقعہ ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ باقی دنوں میں رسولِ اکرم ﷺ نے ثقیف کے درمیان طائف شہر اور اس کے مضافات میں کیا کام کیا تھا اور کیسے وہ دن گذارے تھے۔ مختلف مآخذ کی روایات سے ان سوالات کا جواب ملتا ہے اور ان کے تجزیے سے بہت سی دوسری تفصیلات بھی معلوم ہوتی ہیں۔

جمحی/قریشی زوجہ ثقیف سے ملاقات

ابن اسحاق کی ایک روایت بلا سند میں مختصراً یہ بیان آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے بنوجمح کی خاتونِ ثقیف سے ملاقات کر کے شکوہ کیا تھا کہ ہم کو تمہارے سسرالیوں سے کیا (انعام وسلوک) ملا ہے:

ماذا لقينا من احمائك؟ (۱۴۵)

ثقفی عوام میں دعوت

مختلف اہل سیر بالخصوص ابن سعد کی روایات میں یہ تصریح آتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے طائف جاتے ہوئے راستہ میں بسنے والے تمام قبیلوں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تھی، کیوں کہ وہ آپ ﷺ کا بنیادی کام وفرض تھا۔ ان سے حمایت ونصرت نہیں طلب کی تھی کہ حمایت ونصرت اور جوار کا دینا کسی باثر شخص یا شیخِ قبیلہ کا کام تھا اور وہی مطلوب تھا۔

مضافاتِ طائف میں تبلیغ

طائف وثقیف کے درمیان ایک خاصے بڑے عرصے تک قیام کے دوران رسولِ اکرم ﷺ نے تمام عوام وخواص کو اسلام و دین کی تبلیغ کی تھی، ان میں خطبات دیے تھے اور ان کو دین کی بنیادی تعلیمات

سے آگاہ کیا تھا جن کی تفصیلات مذکور نہیں ہیں۔ اہلِ سیر نے یہ تو لکھا ہے کہ کسی نے بھی ان میں سے اسلام قبول نہیں کیا مگر ان کی دوسری روایات سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ مسلسل دعوت نبوی کا اثر نوجوانوں اور دوسرے لوگوں پر ہونے لگا تھا لہٰذا اکابر ثقیف اور سردارانِ طائف نے اس کے نتیجہ خیز ہونے کے خوف سے رسولِ اکرم ﷺ کو طائف اور حدودِ ثقیف سے نکل جانے کا حکم دیا تھا اور طیش میں آکر آپ کی تعذیب خاص کا سامان فراہم کیا تھا۔

قیام طائف کے دوران واقعات قبول اسلام

بالعموم سیرت نگاروں نے بہ یک جنبشِ قلم یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ نبوی سفرِ طائف اور قیام کے دوران کسی ایک شخص نے بھی اسلام نہیں قبول کیا مگر بعض روایات انفرادی قبولِ اسلام کے واقعات کو بتاتی ہیں جو اس عمومی بیان کی اصلاح کرتی ہیں۔ حضرت رُقیقہ ثقفیہؓ رسولِ اکرم ﷺ کے سفر و قیام طائف کے واقعات بیان کرنے والی ایک چشم دید راویہ ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ قیام طائف کے دوران میرے گھر تشریف لائے تو میں نے خدمت اقدس میں ستو والا شربت پیش کیا، جسے آپ ﷺ نے نوش فرمایا۔ آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قبولِ اسلام کے بعد ان کو نصیحت کی کہ کسی حال میں بت (طاغیہ) پرستی نہ کریں اور نماز پڑھا کریں خواہ اپنے اسلام و نماز کو چھپانا پڑے۔ وہ ایسا ہی کرتی رہیں اور اسی حال میں فتح طائف سے قبل جاں بہ حق ہوگئیں۔ وفدِ طائف کے دو ارکان، جوان خاتون محترم کے فرزند تھے، سفیانؓ بن قیس بن ابان ثقفی اور ان کے برادر وہب ثقفیؓ نے اپنی والدہ کا حال رسول اکرم ﷺ کو سنایا اور ان کا آخری اور اخروی انجام پوچھا تو رسول اکرم ﷺ نے ان کے اسلام و ایمان کی تصدیق فرمائی۔ (۱۴۶)

تلاشِ حق کے متوالوں کی ملاقات

سوانح و تراجم صحابہ وغیرہ میں بعض بڑی قیمتی روایات ایسی ملتی ہیں جو طائف میں قیام نبوی کے بعض دعوتی واقعات کو اجاگر کرتی ہیں۔ حضرت خالدؓ بن ابی جبل عدوانی طائفی کے تذکرہ و خاکہ میں بعض قدیم مآخذ کی یہ روایت مذکور ہے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے سورہ طارق کی قرأت سماعت کی تھی اور اسلام اور رسول اکرم ﷺ سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ بعض دوسری تفصیلات بھی ہیں۔ جیسے ان کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ''مشرفہ ثقیف'' میں اپنی کمان سے ٹیک لگا کر سورۂ طارق کی تلاوت کر رہے تھے اور انھوں نے اسی عالم میں جب کہ وہ مشرک تھے پوری سورہ طارق یاد کر لی تھی اور ثقیف کے مختلف لوگوں کو بھی سنائی تھی۔ انھوں نے صلح حدیبیہ سے قبل کسی وقت اسلام قبول کر لیا تھا

کہ وہ بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔(۱۴۷)

اشرافِ ثقیف سے ملاقاتِ نبوی

عام طور پر مشہور روایت ابن اسحاق/ ابن ہشام کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے اشرافِ ثقیف میں سے خاص تین شیوخِ قبائل سے ملاقات کی تھی جن کا ذکر جدید سیرت نگاروں کے بیانات میں بھی آتا ہے بل کہ اسی پر ان سب کا انحصار لگتا ہے۔اس کے مطابق وہ تین بھائی تھے:

۱۔عبد یالیل بن عمرو،۲۔مسعود بن عمرو،۳۔حُبَیب بن عمرو۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ ''میں کعبے کے پردے پھاڑ ڈالوں گا اگر اللہ نے تجھ کو رسول بنایا ہے۔ دوسرا بولا: کیا اللہ کو تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا جسے رسول بناتا۔ تیسرا گستاخ بولا: تم سے تو مجھے بات ہی نہیں کرنی ہے: اگر تم واقعی رسول ہو تو تمہاری بات کا جواب دینا گستاخی ہے اور اگر تم نامِ خدا پر جھوٹ کہہ رہے، تو ایسے جھوٹے سے بات کرنی ہی نہیں چاہئے''۔

رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم نے مجھ سے جو سلوک کیا سو کیا اب یہ بات مان لو کہ میری گذارش کو افشا نہ کرو۔ راوی کا خیال ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر مخالفین و معاندینِ قریش کو ان شیوخِ ثقیف کی گستاخی کی خبر پہنچی تو وہ اور جری ہو جائیں گے اور آپ ﷺ پر اور بھی مظالم کریں گے۔ ان ظالموں نے شہر کے بدمعاشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا اور انھوں نے پتھر مار مار کر آپ ﷺ کو زخمی کر دیا۔(۱۴۸)

دوسری روایت

واقدی اور ابن سعد کی روایتِ محمد بن جبیرؓ بن مطعم میں یہ صراحت ملتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے تمام اشرافِ ثقیفِ طائف سے ملاقات کی تھی اور ان سے بات کی تھی۔ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا ہے بل کہ اشرافِ طائف کا عمومی ذکر کیا گیا ہے:

لایدع احدا من اشرافھم الا جائه و کلمه، فلم یجیبوہ وخافوا علی احداثھم فقالوا: یا محمد اخرج من بلدنا (۱۴۹)

طائف کا سخت ترین دن

حدیث بخاری: ۳۲۳۱ اور اس کے طرف ۷۳۸۹ کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسولِ

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ کیا یوم احد سے بھی زیادہ سخت دن آپ ﷺ پر گذرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری قوم سے جو کچھ ملا وہ تو ملا لیکن ان سے یوم العقبہ کے دن جو کچھ مجھے ملا وہ سب سے زیادہ سخت تھا جب میں نے ابن عبدیالیل بن عبدکلال پر اپنا نفس پیش کیا تو اس نے میری بات نہیں مانی، میں ملول و ناشاد چل دیا اور میرے چہرے پر غم کا سایہ تھا۔ مجھے قرن الثعالب نامی مقام پر ہوش سا آیا تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور دیکھا کہ ایک بادل کے ٹکڑے نے مجھ پر سایہ کر رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس میں جبریل ہیں اور انھوں نے مجھے پکارا۔......اس کے بعد کا پورا قصہ دوسری جگہ زیر بحث آیا ہے۔ اولین فرمانِ رسولِ اکرم ﷺ کا متن درج ذیل ہے:

لقد لقيت من قومك ما لقيت، وكان اشد ما لقيت منهم يوم العقبة اذ عرضت نفسي على ابن عبدياليل بن عبد كلال

اس حدیث میں سخت ترین اور اس کے باعث شیخ کا نام ابن عبدیالیل بن عبدکلال بتایا گیا ہے۔ شارحین نے اس کی شرح میں بیان کیا ہے کہ مغازی میں جس شخص کے بات کرنے کا ذکر ہے وہ عبدیالیل خود تھے نہ کہ ان کے فرزند۔ اہلِ نسب کے نزدیک عبدکلال ان کے بھائی تھے نہ کہ ان کے باپ۔ ان کا پورا نام تھا: عبدیالیل بن عمرو بن عمیر بن عوف''۔ ابن عبدیالیل کا ایک نام مسعود بتایا جاتا ہے۔ اصابہ میں ایک روایت کے مطابق وہی وفدِ ثقیف کے رئیس و شیخ تھے۔ ممکن ہے کہ وہ بھی وفد میں شامل رہے ہوں اور ایک سردار بھی ہوں مگر اصل رئیس عبدیالیل ہی تھے اور ان کا ایک نابینا بھائی بھی تھا جس کا ذکر سیرت میں مبعثِ نبوی کے وقت ستاروں کی مار (قذف النجوم) کے ضمن میں کیا جاتا ہے۔ عبدیالیل کا فرزند اہل طائف کے ثقیف کے اکابر میں تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تفسیر عبد بن حمید کے حوالے سے لکھا ہے کہ **علی رجل من القريتين عظيم** (۱۵۰) سے مراد یا اس کا سبب نزول عتبہ بن ربیعہ اور فرزند عبدیالیل ثقفی کے بارے میں تھا۔ جب کہ طریقِ قتادہ میں ان سے مراد ولید بن مغیرہ اور عروہ بن مسعود ہیں۔ طبری بطریق سدی میں وہ دونوں ولید بن مغیرہ اور کنانہ بن عبد بن عمرو بن عمیر عظیم اہلِ طائف تھے۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ کنانہ بن عبدیالیل وفد طائف کے ساتھ سن دس میں آئے تھے اور اسلام لائے تھے لہٰذا اسی بنا پر ابن عبدالبر نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے۔ مگر امام مدینی نے یہ بیان کیا ہے کہ کنانہ نے اسلام نہیں قبول کیا اور وہ روم چلے گئے جہاں کی ان کی وفات ہوگئی۔ حافظ موصوف نے اس کے بعد تین شیوخ ثقیف سے ملاقاتِ نبوی اور اس کے مقصد کا ذکر کر کے ابن اسحاق و موسیٰ بن عقبہ کا حوالہ دیا ہے پھر ''قرن الثعالب'' کی تشریح کی ہے کہ اسے قرن المنازل بھی کہا جاتا ہے اور وہ اہلِ نجد کی میقات ہے اور

وہ مکے سے ایک دن ورات کی مسافت پر ہے۔قرن اس پہاڑی کو کہتے ہیں جو بڑے پہاڑ سے الگ تھلگ واقع ہو''۔(۱۵۱)

باغِ عتبہ وشیبہ میں پناہ کا ذکر

مظالمِ ثقیف سے نجات پانے کا شرف بعض سیرت نگاروں نے عتبہ وشیبہ فرزندانِ ربیعہ عبشمی کے باغ میں پناہ لینے کو دیا ہے۔وہ اصلاً ابن اسحاق کی روایت ہے جس کا ذکر بیشتر جدید اردو، عربی اور انگریزی سیرت نگاروں نے اور متعدد قدیم اہل سیر نے بھی کیا ہے۔ان کے بیانات میں خاصا اختصار پایا جاتا ہے۔اصل روایت میں خاصی تفصیل ہے۔رسولِ اکرم ﷺ کو اس حالتِ زار میں دیکھ کر دونوں شیوخِ قریش کا دل پگھل گیا اور صلہ رحمی کے جذبات سے بھر گیا۔انھوں نے انگور کا ایک خوشہ ایک طبق میں رکھ کر اپنے نصرانی غلام عداس کے ہاتھ خدمت میں بھیجا۔رسولِ اکرم ﷺ نے تناول فرمانے سے قبل بسملہ پڑھا تو حضرت عداس ؓ کو تعجب ہوا کہ ادھر کے لوگ ایسا نہیں کرتے، آپ ﷺ نے اپنی رسالت اور حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام سے اپنی اخوتِ نبوت کا ذکر کیا تو حضرت عداس ؓ رو پڑے اور دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور اسلام قبول کر لیا۔عتبہ وشیبہ نے حضرت عداس ؓ کی سرزنش کی اور ان کے دین کو نبوی دین سے بہتر قرار دیا۔اس واقعے میں اور بھی تفصیلات ہیں جو خاصی اہم ہیں۔(۱۵۲)

پناہ گاہ وضیافت کا عدم ذکر

بلاذری اور بعض دوسرے سیرت نگاروں اور محدثینِ کرام نے بھی عتبہ وشیبہ کے باغ میں پناہ لینے کا اور اس کے متعلق واقعات کا جیسے حضرت عداس نصرانی ؓ کا ذکر نہیں کیا ہے۔جدید سیرت نگاروں میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بہت نمایاں ہیں کہ باغبان اور ان کی ضیافت کا ذکر خوب کیا مگر مالکانِ باغ کا حوالہ انہوں نے نہیں دیا۔(۱۵۳)

طائف سے مکہ واپسی

ابن سعد اور بعض دوسرے قدیم مآخذ نے بیان کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ مکے کی طرف واپس ہوئے تو بہت غم زدہ تھے کیوں کہ کسی ایک مرد یا عورت نے آپ ﷺ کے پیغام کو نہیں قبول کیا تھا۔نخلہ پہنچ کر رات میں نماز کے کھڑے ہوئے تو نصیبین کے سات جنات نے نماز میں آپ ﷺ کی قرأت سورۃ الجن سنی، لیکن رسولِ اکرم ﷺ کو ان کی آمد، موجودگی اور قرأت کی سماعت کا علم نہیں ہو سکا جب تک

آیتِ قرآنی: واذا صرفنا الیك نفرا من الجن یستمعون القرآن نازل نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے نخلہ میں کئی دن قیام کیا: واقام بنخلة ایاما۔ حضرت زید بن حارثہؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ ان (قریش) کے پاس کیسے جائیں گے کہ انھوں نے تو آپ کو نکال دیا ہے: آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی اس مصیبت سے نکالے گا اور وہی کوئی سبیل کرے گا۔ وہ بہ ہر حال اپنے دین کی مدد کرنے والا اور اپنے نبی کو غالب کرنے والا ہے: ان اللہ جاعل لما تری فرجاو مخرجا، وان اللہ ناصر دینه ومظهر نبیه۔ اس روایت میں رسولِ اکرم ﷺ کے مکے سے نکالے جانے کا حوالہ اہم ہے۔ (۱۵۴)

مطعم بن عدی نوفلی کی جوار میں مکے میں داخلہ

حراء پہنچ کر رسولِ اکرم ﷺ نے قریش کے بعض اکابر سے جوار کی درخواست کی۔ یہ ایک قسم کی روایت ہے جو بعض مصادر میں ملتی ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

ایک قسم میں سہیل بن عمرو عامری سے جوار کی استدعا اور اس کے مسترد کئے جانے کا ذکر ہے اور پھر مطعم بن عدی کے جوار دینے کا ذکر ہے۔ (۱۵۵) طبری نے سہیل بن عمرو عامری کا جواب نقل کیا ہے کہ بنو عامر بن لوی دراصل بنو کعب کے خلاف جوار نہیں دیتے: ان بنی عامر بن لوی لا تجیر علی بنی کعب۔

دوسری قسم میں قریش کے تین اکابر سے جوار کی درخواست کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ تیسرے اخنس بن شریق ثقفی تھے جنھوں نے یہ عذر کیا تھا کہ میں حلیف ہوں اور حلیف جوار نہیں دیتے۔ طبری نے اخنس کے جملہ وجواب میں ایک دل چسپ اضافہ کیا ہے: ان الحلیف لا یجیر علی الصریح۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خزاعہ کے ایک شخص کے ذریعے بہ راہ راست مطعم بن عدی سے جوار مانگی اور مطعم بن عدی نے اس کو قبول کیا اور انھوں نے اپنے فرزندوں اور قوم کو بلا کر کہا کہ ہتھیار سجا لو اور ارکان بیت اللہ کے پاس جم جاؤ کیوں کہ میں نے محمد ﷺ کو جوار دے دی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو جوار دینے پر ابوجہل مخزومی نے بہ قول طبری مطعم بن عدی سے پوچھا کہ آپ نے جوار دی ہے یا پیروی کی ہے۔ جوار دینے کی بات سن کر ابوجہل نے کہا ہم نے بھی اسے جوار دی جسے آپ نے پناہ دی: اجرنا من اجرت۔ آپ ﷺ حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اس وقت مطعم بن عدی نے بہ بانگِ دہل اپنی سواری پر کھڑے ہو کر قریش کو مخاطب کیا کہ میں نے محمد ﷺ کو جوار دے دی ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی بھی ان کی ہجو نہ کرے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے رکن کا استلام کیا، دو رکعتیں پڑھیں اور گھر تشریف لے گئے اور مطعم بن عدی اور ان کے فرزندان کو گھیرے رہے۔ (۱۵۶)

طائف سے واپسی پر دعائے نبوی

بعض مآخذ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ جب طائف سے محزون وملول اور زخم خوردہ واپس ہوئے تو ثقفی ظالموں سے نجات پانے کے بعد جنابِ الٰہی میں دعا مانگی:

اللھم انی اشکو الیك ضعف قوتی، وقلة حیلتی، وھوانی علی الناس، یا ارحم الرحمین، یارب المستضعفین، الی من تکلنی (۱۵۷)

دیگر مآخذ میں دعاوتضرع نبوی کے الفاظ مختلف ہیں بل کہ زیادہ مفصل ہیں:

اللھم الیك اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس، یاارحم الرحمین، انت رب المستضعفین الی من تکلنی، الی عدو بعید یتجھمنی ام الی صدیق قریب ملکته امری، ان لم تکن غضباًنا علی فلا ابالی غیران عافیتك اوسع لی، اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت له الظلمات، وصلح علیه امر الدنیاوالآخرة، من تنزل بی غضبك اویحل بی سخطك، ولك العقبی حتی ترضی، ولا حول ولا قوة الابك

یہ امامِ سیرت ابن اسحاق اور امام حدیث طبرانی کی روایت کے الفاظ ومتن ہیں۔(۱۵۸)

اجابتِ دعا اور ظہور ملائکہ

صحیح بخاری، حدیث: ۲۲۳۱، ۳۸۹۷ میں رسولِ اکرم ﷺ کی دعا کی اجابت کا ذکر ملتا ہے اور اسی کے ساتھ یہ واقعہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوکر عرض پرداز ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی قوم کی بات اور ان کا ردعمل سنا اور دیکھا اور آپ کی خدمت میں ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتہ) کو بھیجا ہے کہ آپ ﷺ جو چاہیں وہ حکم ان کو دیں۔ اس کے بعد ملک الجبال نے عرض کیا کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہر حال میں ہوگی، اگر آپ ﷺ فرمائیں تو میں ان دونوں پہاڑوں (اخشبین) کو ان لوگوں پر طباق کی ڈھادوں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: لیکن مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اصلاب (پشتوں) سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔(۱۵۹)

دعا وظہورِ ملائکہ کا عدم ذکر

متعدد قدیم وجدید سیرت نگاروں نے رسولِ اکرم ﷺ کی اس دعا، اس کی اجابت اور حضرت

جبریلؑ اور ملک الجبال کے ظہور سے متعلق واقعات کا ذکر نہیں کیا ہے۔قدیم مآخذ میں شامل ہیں: ابن سعد، طبری وغیرہ، جدید سیرت نگاروں میں مولانا شبلی بہت نمایاں ہیں۔(۱۶۰)

سفرِ طائف کی روایات کا تنقیدی تجزیہ

مختلف مولفینِ سیرت نے حسب دستور سفرِ طائف کے بارے میں مختلف بل کہ بسا اوقات متضاد روایات بیان کی ہیں۔ان میں مختصر اور جامع روایات کی توجیہ کرنی آسان ہے کہ مختصر نویسوں نے بعض تفصیلات کو ضروری نہیں سمجھا اور صرف خاص واقعہ بیان کر دیا۔ایک مزید توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ ان کو بعض روایات اور تفصیلات ان کے اپنے راویوں کے ذریعے سے نہیں پہنچیں لہٰذا ان کے ہاں اختصار آ گیا۔بعض روایات میں راوی کی اپنی رائے وفکر کا عمل دخل ملتا ہے جس کا واقعے سے تعلق ہو سکتا بھی ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔موخر الذکر صورت خاصی خطرناک ہے۔متضاد ومتصادم روایات کا فرق واختلاف دور کرنا واجب ہے کہ صحیح صورت حال واضح ہو سکے،لہٰذا اس مختصر تنقیدی تجزیے کی ضرورت پڑی۔ان تمام روایات وبیانات کا تجزیہ چند عناوین اور موضوعات کے تحت کیا جاتا ہے۔

مقصدِ سفر

ابن اسحاق/ ابن ہشام نے بالخصوص اور دوسروں نے ان کے اتباع وتقلید میں نبوی سفرِ طائف کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ ابو طالب کی موت کے بعد رسولِ اکرم ﷺ پر قریش کے مظالم بڑھ گئے اور وہ ایسی حرکتیں کرنے لگے تھے جو حیاتِ ابی طالب میں ممکن نہ تھیں۔یہ رائے وفکر بالکل صحیح نہیں ہے۔رسولِ اکرم ﷺ اور مکہ مکرمہ میں مقیم مسلمانوں خاص کر بنو ہاشم وبنو مطلب کے مسلمانوں پر ابو طالب کی زندگی میں بھی اسی طرح بسا اوقات ان سے زیادہ مظالم توڑے گئے تھے جن کا ذکر کتبِ سیرت وحدیث میں تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔مولانا شبلی نے خود ان کو جامع انداز میں یوں لکھا ہے: ''طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، راہ میں کانٹے بچھاتے تھے،نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے، بدزبانیاں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ ﷺ گھٹنوں کے بل گر پڑے'' ایسے مظالم کی ایک بڑی تعداد کا بیان ہے جو ابو طالب کی زندگی میں ہوتے رہے تھے۔(۱۶۱)

اسی طرح اہل مکہ سے قطعی ناامیدی اور طائف میں دعوت اسلام دینے کا مقصد بھی روایات میں واقعے سے زیادہ خیال پر مبنی ہے۔رسولِ اکرم ﷺ کی ناامیدی، مکہ مکرمہ کے بنجر ہو جانے اور دعوتِ

اسلام دینے کے لئے دوسرے شہر جانے کی بات بھی دل لگتی نہیں ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی اور شخصیت کا عظیم ترین وصف یہی تھا کہ آپ ﷺ کبھی مایوس و ناامید نہیں ہوئے، سخت ترین حالات میں بھی پرامید رہے جیسا کہ ملک الجبال کے جواب میں آپ ﷺ نے اظہار فرمایا تھا۔ دعوتِ اسلام کے لئے مکہ مکرمہ سے بہتر اور کوئی جگہ نہ تھی کہ وہ مرکزِ عرب اور قلبِ ملک تھا جہاں چاروں طرف سے کھینچ کھینچ کر لوگ آتے تھے اور اسی مکہ مکرمہ سے عرب کے طول وعرض میں اسلام و دین کی روشنی پہنچی تھی۔ لہٰذا دعوتِ دین اور تبلیغ اسلام اصل مقصد سفر نہیں تھا۔ یہ خیال کہ مکہ اور قریش میں آپ کے حامی اور مددگار نہیں رہے تھے قطعی خلاف واقعہ ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ متعدد اکابرِ قریش کی حمایت آپ ﷺ کو حاصل تھی۔

طائف کا انتخاب

مکہ مکرمہ اور قریشِ کے باہر رسولِ اکرم ﷺ نے سب سے پہلے طائف شہر سے اپنی نئی مہم شروع کرنے کے لئے اس کا انتخاب کیوں کیا تھا؟ بیشتر قدیم وجدید سیرت نگاروں نے اس سوال کا جواب نہیں دیا اور اگر دیا ہے تو وہ کافی تشنہ ہے۔ جدید سیرت نگاروں میں مولانا عبدالرؤف نے اس کا محرک یہ سمجھا ہے کہ قریش کے بعد دوسرا زبردست قبیلہ طائف کا بنوثقیف تھا۔ مولانا مودودیؒ نے بھی اسی محرک وسبب کا دوسرے الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ طائف کا طاقت ور قبیلہ شاید آپ ﷺ کو اپنے ہاں پناہ دے۔ مولانا ابو الحسن ندوی نے طائف والوں سے امید کی بنا اس حقیقت پر استوار کی ہے کہ طائف کے اطراف میں نبوی رضاعی مائیں اور ان کے قبیلے آباد تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ ''خاندان بنو ہاشم کی طائف میں رشتہ داریاں تھیں۔ بنوعبدہ یالیل [کذا] کو رسول اللہ ﷺ کے ماموؤں کا خاندان کہا جاتا ہے۔ ابولہب کی بیٹیوں کی اہل طائف سے شادیاں ہوئی تھیں''۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید لکھا ہے کہ ''اسی لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے ہم وطنانِ مکہ سے مایوس ہوئے تو انھوں نے اپنے ماموؤں کا رخ کیا''۔ (۱۶۲)

تمام بیانات و روایات کے تجزیے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے طائف شہر کے انتخاب میں کئی ثانوی محرکات وعوامل بھی ممکن تھے، جیسے ثقیف سے قریشی بطون بالخصوص بنو ہاشم و بنو امیہ کے ازدواجی تعلقات کی وجہ سے رشتہ مصاہرت، ان کے ایک بڑے خاندان بنوسعد بن بکر میں رضاعی روابط کی قرابت، قریشی وثقفی خاندانوں کے درمیان حلف وولا کے تعلقات، مکہ اور طائف کی قربت اور دونوں کی قرابت، تجارتی، معاشی اور اقتصادی روابط کے سبب سے ان دونوں کے درمیان مفاہمت

وغیرہ، لیکن اصل سبب یہ تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ ثقیف کے طاقت ور قبیلے اور طائف کے قلعہ بند اکابر کی سیاسی اور فوجی طاقت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ قرب و جوار ہی میں نہیں سارے عرب میں ثقیف و طائف کی فوجی قوت کی دھاک بیٹھی تھی کہ وہ عددی لحاظ سے بھی قریش کے ہم پلہ تھے، سامانِ حرب کے اعتبار اور جنگی فنون پر قدرت رکھنے کی وجہ سے وہ قریش پر یک گونہ فضیلت رکھتے تھے۔ ان کی حمایت و نصرت اور جوار و پناہ قریش کے اکابر کے دانت بھی کھٹے کر سکتی تھی۔

سفرِ طائف کا اصل مقصد

ابن اسحاق/ ابن ہشام کی بنیادی مذکورہ بالا روایت اور ان کے خوشہ چیں اہلِ سیر کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی اس خاص مہم سفرِ طائف کا مقصد صرف اسلام کی دعوت دینا اور تبلیغ دین کرنا تھا۔ ان روایات و بیانات کے مطابق نہ تو رسولِ اکرم ﷺ کی شیوخِ ثقیف سے بات چیت میں اور نہ موخر الذکر کے ردعمل میں کوئی دوسرا مقصد شامل و مضمر نظر آتا ہے جب کہ حدیثِ بخاری مذکورہ بالا، شرح حافظ ابن حجر عسقلانی اور روایت موسیٰ بن عقبہ وغیرہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے سفرِ طائف کا اصل مقصد سامنے آتا ہے۔ طبری نے بہت واضح الفاظ میں قریش سے حفاظت اور نصرت کی طلب کو مقصد بتایا ہے۔

دعوتِ دین اور تبلیغ اسلام بلاشبہ رسولِ اکرم ﷺ کا تمام انبیائے کرام کی مانند اولین کام بل کہ فرض منصبی تھا۔ لیکن اس خاص سفرِ نبوی کا ایک اور مقصد بھی اس کے ساتھ جڑا ہوا تھا اور وہ تھا کہ شیوخِ ثقیف رسولِ اکرم ﷺ کو اپنے ہاں پناہ دیں، آپ کی نصرت و حمایت کریں۔ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد زیادہ موثر ہوتی مگر اس کے بغیر بھی آپ ﷺ کے مقصد براری کے لئے کافی ہوتی جیسا کہ ابو طالب ہاشمی کی حمایت و نصرت نبوی اسلام و دین قبول کئے بغیر مکہ مکرمہ میں قریش کے بطون کے درمیان رہی تھی اور جس حمایت و نصرتِ قبائلی سے ابولہب ہاشمی کی بے پناہی کی وجہ سے آپ ﷺ محروم ہو گئے تھے۔ اس کے شواہد و دلائل حسب ذیل ہیں:

حدیثِ بخاری مذکورہ بالا میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنا نفس پیش کیا: ''عرضت نفسی''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے سب سے پہلے ثقیف سے بل کہ ان کے شیوخ سے حمایت و جوار کا مطالبہ کیا تھا اور یہی معنی و مراد دوسری روایات اور واقعات میں بھی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی شرحِ حدیث میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی میں مذکور امام زہریؒ کی روایت نقل کی ہے۔ جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے طائف کا رخ کیا، اس امید میں

کہ وہ آپ ﷺ کو پناہ دیں گے۔لہٰذا آپ نے ثقیف کے تین اشخاص (نفرہ)، جو ان کے سردار تھے، کے پاس پہنچے اور وہ تین بھائی تھے: عبدیالیل، حبیب ومسعود فرزندان عمرو اور ان پر آپ ﷺ نے اپنا نفس پیش کیا اور ان سے شکایت کی کہ آپ ﷺ کی قوم نے کس طرح پاسِ عہد ووفاداری توڑ دیا ہے:

انه ﷺ لما مات ابو طالب توجه الی الطائف رجاء ان یووہ، فعمد الی ثلاثة نفر من ثقیف وهم سادتهم، وهم اخوة: عبدیالیل وحبیب و مسعود، بنو عمرو، فعرض علیهم نفسه و شکی الیهم ما انتهك منه قومه فردوا علیه اقبح رد (۱۶۳)

اس مقصد نبوی حمایت ونصرت کی طلب کی واقعاتی اور روایتی دلیلیں اور شہادتیں بھی کافی ہیں۔اول یہ کہ سفرِ طائف سے واپسی کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں داخلے سے قبل قریش کے تین تین شیوخ اخنس بن شریق ثقفی، سہیل بن عمرو عامری قریشی اور مطعم بن عدی نوفلی قریشی سے باری باری یا بہ یک وقت جوار کی درخواست کی تھی۔اول الذکر دونوں کے انکار کے بعد مطعم بن عدی نوفلی قریشی نے رسولِ اکرم ﷺ کی درخواست قبول کر لی اور آپ کو اپنی جوار میں لے لیا اور اس جوار کے اعلان ونفاذ کے بعد ہی رسولِ اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے اور بقیہ تین سال تک اسی جوار کے سایے میں وہاں مقیم رہے تھے۔اس واقعہ جوار کی بعض اہم جہات ہیں اور ان پر مختصر بحث یہیں کرنی ضروری ہے،

ایک یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اخنس بن شریق ثقفی سے جوار وحمایت ونصرت طلب کی تھی۔اس کی متعدد وجوہ تھیں۔اخنس ثقفی تھے اور ان کے سردارانِ ثقیف اور شیوخِ طائف سے بہت زیادہ قریبی تعلقات تھے۔امید کی جاسکتی تھی کہ ان کی جوار وحمایت ملنے کی صورت میں رسولِ اکرم ﷺ کو رئیس القبائل اور ثقیف کی حمایت ونصرت مل جاتی، کیوں کہ بالعموم ایک فرد/شیخ خاندان کی جوار پورے خاندان وقبیلے کی جوار بن جاتی تھی جیسا کہ ابو طالب ہاشمی کی جوار نے رسولِ اکرم ﷺ کو قریش کے دو خاندانوں بنو ہاشم وبنو مطلب کی جوار ونصرت از خود عطا کر دی تھی۔یہی قبائلی ریت اور جاہلی روایت تھی۔

دوسرے اخنس بن شریق ثقفی مکہ مکرمہ کے سادات میں بھی کافی بااثر اور صاحبِ جلال وجبروت تھے۔وہ قریشی اکابر وشیوخ سے کسی طرح رتبہ اور اثر اور جاہ وجلال میں کم نہ تھے۔ان کی جوار کا مطلب صاف یہ تھا کہ ان کو ایک بااثر شخص اور مقتدر شیخ مکہ کی جوار مل جاتی۔

تیسرے حضرت اخنس ثقفی بنو زہرہ کے حلیف ہونے کے باوجود خاندان بنو زہرہ کے سب سے بااثر اور عظیم ترین شیخ وسید تھے۔اتنے کہ وہ ان کے معاملات میں قریشی اکابر وشیوخ کو بھی اپنے مطالبات

کے سامنے جھکا سکتے تھے۔ ان کی جوار ونصرت ملنے کی صورت میں یہ لازمی تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو قریش کے ایک بڑے خاندان بنوزہرہ کی حمایت بھی مل جاتی جو اتفاق سے آپ ﷺ کے ننہیالی رشتے دار تھے، لیکن انھوں نے حلیفِ قریش ہونے کا بہانہ بنا کر سیاسی مصالح سے رسولِ اکرم ﷺ کو جوار نہیں دی، حال آں کہ وہ اس سے پہلے حبشہ سے واپس آنے والے مہاجروں میں سے ایک حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم عامری قریشیؓ کو جوار دے چکے تھے۔ (۱۶۴)

سہیل بن عمرو عامری قریشی کی جوار مل جانے کی صورت میں ان تمام فوائد کی توقع تھی کہ وہ بہت موثر ومقتدر شخص تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انھوں نے اپنے ایک خاندانی عزیز مسلم حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم عامریؓ کو ہجرت حبشہ سے واپسی پر جوار دی تھی۔ (۱۶۵) صاحب طرز خطیب اور سحر بیان مقرر تھے اور قریشی امور میں ترجمان بھی تھے۔ صلح حدیبیہ کے معاہدے کی تکمیل بعد میں جس طرح انھوں نے کی تھی وہ ان کی جلالت کو ثابت کرتی ہے۔ وہ مہاجرینِ حبشہ میں سے بعض خاندانی عزیزوں کے علاوہ کئی دوسرے مسلمانوں کو جوار دے چکے تھے مگر رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں سخت موقف رکھتے تھے۔

مطعم بن عَدی کی جوار وحمایت ونصرت نے بنوعبد مناف کے متحدہ خاندان کی حمایت وطاقت کی یاد تازہ کردی تھی۔ وہ بزرگ تر خاندان بنوعبد مناف کے چوتھے خاندان/بطن بنونوفل کے سردار تھے، رسولِ اکرم ﷺ کے چچا تھے بالکل اسی طرح جیسے بنوہاشم سے ابوطالب وابولہب تھے یا بنوامیہ سے ابوسفیان بن حرب وغیرہ تھے۔ ان کے خاندانوں کے تمام اکابر آپ ﷺ کے اعمام تھے۔ اکابرِ قریش میں ان کا بہت احترام واقتدار تھا اور اسی کی وجہ سے انھوں نے غزوہ بدر کے بعد شیخِ خزرج حضرت سعد بن عبادہؓ کو قریش کے خلاف جوار دی تھی۔ (۱۶۶)

بنونوفل بن عبد مناف کے شیخ وسردار مطعم بن عدی کی جوار نے دراصل بدلے ہوئے حالات میں بنوعبد مناف کے ایک خاندان بنوہاشم کی حمایت ونصرت اور جوار کو دوسرے خاندانِ بنی عبد مناف کی طرف منتقل کردیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا اور دوررس نتائج کا حامل واقعہ تھا۔ اس نئی جوار نے رسولِ اکرم ﷺ کو وہی حمایت ونصرت فراہم کردی، جو ابوطالب ہاشمی اپنے زمانے میں آپ ﷺ کو فراہم کرتے رہے تھے، اس کی قدر وقیمت اور جاہلی عرب میں تاثیر وتنفیذ کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ تمام اکابرِ قریش نے مطعم بن عدی کی جوار وحمایت اور نصرت نبوی کو نہ صرف تسلیم کیا بل کہ اس کی تحسین وتعریف بھی کی تھی کہ تم نے بہت اچھا کام کیا، زریں کارنامہ انجام دیا اور صلہ رحمی کا حق ادا کردیا: لقد احسنت واجملت

ووصلت الرحم۔ بعض سیرت نگاروں نے رشتے وقرابت داری کا صحیح تجزیہ نہیں کیا ہے، طبری نے ابوجہل مخزومی کے رسولِ اکرم ﷺ پر طنز کے ضمن میں عتبہ بن ربیعہ اور ابوجہل کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے جس میں عتبہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے کہ ''آپ ﷺ نے ایک پیامبر اپنی والدہ محترمہ کے ایک قریبی عزیز کے پاس بھیجا کہ وہ رسول خدا کو اپنی پناہ میں لے لیں مگر اس عزیز نے انکار کر دیا۔ پھر انھوں نے اپنی بیٹی اہلیہ سودہ کے ایک عزیز کو آزمایا جو رسول خدا کے خاندان کا زبردست مخالف رہا تھا۔ اس نے پیغمبر کو پناہ دینے کی حامی بھر لی''۔ یہ دونوں بیانات صحیح نہیں ہیں جیسے ثقفی اکابر کے احوال ہونے کا بیان موصوف۔ (۱۶۷)

عرب قبائل پر عرضِ نفس

غالباً سب سے بڑی روایتی اور واقعاتی شہادت یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ سفرِ طائف کے عہد آفریں اور انقلاب انگیز واقعے کے بعد سے ہی تمام بڑے قبائل اور ان کے شیوخ وسادات سے ملتے تھے اور ان سے آپ ﷺ کا اولین مطالبہ یہ ہوتا کہ آپ کو اپنی حمایت ونصرت اور جوار ہی نہ دیں بل کہ اپنے علاقہ، قلعہ اور دیار میں لے جائیں تا کہ وہاں محفوظ رہیں اور اس علاقے کو مرکز بنا کر اپنا فرض منصبی جاری رکھیں۔ مکہ مکرمہ میں جوارِ مطعم بن عدی کے باوجود حدودِ کار کافی محدود ہوگئے تھے۔ قریشی اکابر اور سربراہانِ مکہ اذیت دہی سے تو مانع ہوگئے تھے لیکن وہ رسولِ اکرم ﷺ کے اقتدار اور اسلام کے غلبے کے بہ ہر حال خلاف تھے۔

دعوتِ نبوی اور مطالبہ محمدی میں اب تبلیغِ دین سے زیادہ تعمیرِ معاشرہ اور تعمیرِ ریاست کا عنصر غالب آچکا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے باہر اور اکابرِ قریش کے سیاسی اثر سے آزاد ایک ایسے مرکز کی تلاش میں تھے جہاں تعمیر امت کا وسیع تر کام کر سکیں۔ اس کے لئے کسی طاقت ور قبیلے اور مستحکم علاقے کی ضرورت تھے۔ اسی مقصدِ عالی کی خاطر رسولِ اکرم ﷺ نے اکابر قبائل سے حمایت ونصرت کا مطالبہ کیا جسے سیرتی مآخذ میں عرضِ نفس سے بہ طور عنوان تعبیر کیا گیا ہے۔ قبائل عرب سے آپ ﷺ کی گفت گو اور ان کے ردِ عمل سے اس کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ یہ تمام بڑے، طاقت ور اور اہم ترین قبائل تھے جیسے کندہ، کلب، بنو عامر بن صعصعہ، بنو بکر بن وائل، بنو سلیم، بنو عبس، غسان وغیرہ اور ان کے بطون۔ ان میں سے بعض آپ ﷺ کی حمایت ونصرت کے لئے تیار تھے لیکن اقتدار میں شراکت چاہتے تھے جو آپ ﷺ کو منظور نہ تھی، آپ غیر مشروط حمایت چاہتے تھے۔ (۱۶۸)

طائف کی مکے سے مسافت

طائف اصلاً قلعہ بند شہر اور حصار ہے لیکن بلادِ ثقیف کو وادی وج کہا جاتا ہے۔ بہ قول یاقوت حموی اس کے اور مکہ کے درمیان کی مسافت بارہ فرسخ ہے، جیسا کہ ابن الکلبی کی کتاب میں میں نے پڑھا ہے۔

ایک دل چسپ تضاد یہ ہے کہ بعض مآخذ میں اور ان کے زیر اثر جدید سیرت نگاروں کے ہاں مکہ سے طائف کی مسافت کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں: ۱۔ مولانا مودودی نے اسے مکے سے پچاس میل شرقاً بتایا ہے۔ ۲۔ صفی الرحمٰن مبارک پوری کے خیال میں طائف مکے سے تقریباً ساٹھ میل دور ہے۔ ۳۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اصطخری کے حوالے سے طائف کو مکے سے تقریباً پچھتر میل کی مسافت پر بتایا ہے۔ ایسی بعض اور مسافتیں بھی تلاش سے مل سکتی ہیں۔ ان میں سمت کا فرق بھی ملتا ہے، مشرق کا ذکر اوپر آچکا، مولانا ندوی نے جنوب شرقی لکھا ہے۔ یاقوت حموی نے بہت دل چسپ مسافت دی ہے: مکے سے آنے والے کے لئے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے اور مکہ کی طرف جانے والے کے لئے آدھے دن کی مسافت پر۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب سیرت میں لکھا ہے کہ ''طائف کا قصبہ مکے سے دو دن کی مسافت پر تھا''۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے مقالہ طائف میں لکھا ہے کہ ''طائف: عرب کا ایک شہر، جو مکے کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہاں سے مکے تک جانے والی سڑک چوں کہ پیچیدہ گھاٹیوں سے گذرتی ہے۔ اس لئے موٹر کو تقریباً پچھتر میل طے کرنا پڑتے ہیں۔ بہ راہ راست مسافت اس سے خاصی کم ہے''۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے راہ راست سے سفر کیا تھا۔ (۱۶۹)

تنہا یا رفیق کے ساتھ سفر

بلاشبہ بعض روایات میں آپ ﷺ کے تنہا (وحدہ) سفر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن بیشتر روایات میں صراحت ملتی ہے کہ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے رفیق سفر تھے۔ موخر الذکر روایت کو اصولِ ترجیح کے مطابق بیشتر مولفین نے راجح مانا ہے اور واقعہ یہی لگتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رفیقِ خاص اور مولائے جان نثار کے ساتھ سفر کیا تھا۔ ایسے ایک قبلِ بعثت کے سفر میں بھی حضرت زید بن حارثہؓ آپ ﷺ کے ساتھ گئے تھے اور وہ غالباً مکی اسفار میں ضرور ساتھ ہوتے تھے۔ دوسرے قبائلِ عرب سے ملاقاتوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کے ساتھ ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ یہ واقعاتی شہادت بھی ثابت کرتی ہے کہ اپنے مشہور سفرِ طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک رفیق تھے۔

پیدل یا سواری پر سفر

بعض مآخذ کا اصرار ہے کہ آپ ﷺ نے مکے سے طائف تک جانے اور واپس آنے کا سفر پیدل کیا تھا۔ بعض نے اس پر یہ ٹکڑا لگا دیا ہے کہ سواری میسر ہی نہ تھی۔ یہ دوسرا اضافہ خاص ہے جو غربت و ناداری کے تصور کو تقویت دینے کی خاطر ہے۔ ابھی تک روایات میں یہ واقعہ نہیں مل سکا کہ آپ نے پیدل سفر کیا تھا یا سواری پر، کیوں کہ سواری کا ذکر نہیں آتا، لہٰذا پاپیادہ سفر کا استنباط کر لیا گیا۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے کسی سواری پر سفر طائف کیا تھا کہ پیدل سفر کے لئے وہ مسافت کافی شاق اور گراں تھی۔ البتہ پہاڑی راستے سے سفر کرنے کی صورت میں پیادہ پا سفر کرنے کی بات سمجھی جا سکتی ہے کہ سواری پر سفر کرنا اس صورت میں مشکل تھا۔

طائف میں قیامِ نبوی کی مدت

تمام متضاد روایات کے تجزیے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی طائف میں رہائش، دعوت اور قیام کی مدت ایک ماہ کی تھی۔ بلاذری وغیرہ کی تاریخوں سے اس کی متعینہ مدت معلوم ہوتی ہے جو مکہ سے طائف جانے اور مکہ واپس آنے کی قطعی تاریخیں دیتی ہے۔ ان سے چھبیس دنوں کی مدت متعین ہوتی ہے اور ایک ماہ اور چھبیس دن کے عرصے میں زیادہ عددی فرق بھی نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور قابل بحث مسئلہ ہے کہ یہ متعینہ تاریخیں بلاذری وغیرہ نے کس ابتدائی ماخذ یا مولفِ سیرت سے لی ہیں کہ ان کی سند مروی نہیں ہے۔ البتہ قرائن اور طرقِ بلاذری سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ واقدی کی روایت ہے، جو ان کے اپنے رواۃ سے ان کو ملی ہوگی جیسا کہ ان کا طریق ہے۔

طائف سے واپسی اور اس کے واقعات

اوباش عناصر کے اوباشانہ کاموں اور ان پر ابھارنے والے اکابر ثقیف کا ذکر تمام مآخذ میں کم و بیش کیا گیا ہے۔ بعض جزئیات کا اختلاف بھی ملتا ہے لیکن وہ اتنا زیادہ اہم نہیں ہے۔ البتہ اس ضمن میں دو تین چیزوں کا ذکر بہت اہم ہے کہ وہ سفرِ نبوی سے اور اس کی روح سے راست تعلق رکھتی ہیں۔

راستے میں دعائے نبوی کے الفاظ یا ان کا اختلاف متعدد روایات میں ملتا ہے۔ اس کی توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حسب عادتِ شریفہ مختلف مقامات میں مختلف دعائیں مانگی تھیں۔ لہٰذا ان کے متون مختلف ہو گئے۔ ان میں بعض مختصر ہیں اور بعض میں نسبتاً تفصیل یا جامعیت زیادہ ہے۔

بلاذری وغیرہ کی نقل کردہ دعا کے الفاظ بہت مختصر ہیں، جب کہ ابن اسحاق اور غالباً ان سے ماخوذ امام طبرانی کا نقل کردہ متن دعائے نبوی اور بھی مفصل ہے اور موثر تر بھی۔

اسی طرح فرشتوں کا ظہور، ملک الجبال کی وعید، جبریل علیہ السلام کی ندا اور رسول اکرم ﷺ کی ان سب کے جواب میں رحمتِ عالمی کا اظہار بھی بعض کتب سیرت قدیم وجدید دونوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس کی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ ذکر کرنے والوں نے اختصار سے کام لیا اور اس مافوق الفطرت اور تکوینی معاملہ کا حوالہ اپنے بیان میں کسی وجہ سے نہیں دیا۔

باغ عتبہ وشیبہ میں ضیافتِ نبوی

طائف سے محزون وملول واپسی بالخصوص اوباشانِ قوم سے نجات کے بعد آپ ﷺ کو قریش کے دو اکابر کے باغ میں ملی اور وہ باغ طائف شہر کے قریب ایک بڑی سرسبز وادی میں تھا۔ دونوں کا رسولِ اکرم ﷺ سے حسنِ سلوک اور مہر آمیز ضیافت اور ان کے نصرانی غلام حضرت عداسؓ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلام اور نبوت کے رشتے سے سابق انبیائے کرام بالخصوص حضرت یونس بن متیٰ سے دینی ارتباط کی بحث بہت عمدہ اور فکر انگیز ہے اور وہ رسولِ اکرم ﷺ کے عام رشتہ انبیا سے ہم آہنگ ہے۔ بالکل اسی طرح عتبہ وشیبہ کا سلوک وکرم ان کے مستقل وطیرے اور رسول واسلام کے بارے میں ان کے مسلسل رویے سے بھی ہم آہنگی رکھتا ہے۔ بنوعبدشمس کے عتبہ بن ربیعہ نے ہمیشہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ اسلام نہ لانے کے باوجود ایک کریم وسخی اور انصاف پسند شخص کا رویہ رکھا۔ رسولِ اکرم ﷺ سے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران تمام ملاقاتوں میں ان کا رویہ صلحِ کل کا تھا کہ محمد ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، کیوں کہ ان کی فتح اور جیت عرب وقریش کی فتح ہوگی اور اگر ان کو خدانہ خواستہ ناکامی ہوئی تو قریشی اکابر کا ہدف پورا ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے وہ مخالفت وعناد کے حق میں نہ تھے اور غزوہ بدر سے قبل وہ جنگ کے مخالف تھے کہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب ہیں تو ہمارے ہی عزیز وقریب۔ ان کے اس مصالحانہ اور منصفانہ رویے کو متعدد کیا بیشتر سیرت نگاروں میں سے جدید اہل قلم نے صحیح نہیں سمجھا ہے اور دوسری تعبیر کی ہے۔ (۱۷۰)

ابن اسحاق کی اس مفصل روایت کو قبول کرنے میں کوئی بھی روایتی یا درایتی سقم مانع نہیں ہے، اس لئے کہ وہ سیرت نبوی کے ایک باب کو اور قریش کے اکابر میں سے منصفانہ طرز فکر رکھنے والوں کے خیال کو واضح کرتا ہے کہ اس معاشرے میں ایسے بھی لوگ تھے۔ اس کی تائید وتصدیق مآخذِ سیرت وحدیث کے بہت سے روایات وواقعات سے ہوتی ہے۔

حضرت عداسؓ سے کلام نبوی اور بعد میں ان کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بہت اہم اور قابلِ قبول ہی نہیں ضروری اور ناگزیر ہے۔ حضرت عداسؓ نے بھی غزوۂ بدر کے واسطے جانے والے لشکرِ قریش میں ان دونوں شیوخ کی شمولیت پر آہ وزاری کی تھی اور ان کو جانے سے روکا تھا کہ وہ سچے رسول سے جنگ نہ کریں۔ غالباً اس التجا اور ایمان کا بھی ان کے رویے پر اثر پڑا تھا۔ مکی عہد کا یہ ایک اہم واقعہ بھی ہے۔ جن اہل قلم نے ان واقعات کا ذکر نہیں کیا ان کا اصل سبب تو انھیں کو معلوم ہوگا لیکن واقعات نگاری میں اختصار یا عدم واقفیت ان کی وجوہ ہوسکتی ہیں۔

اسلامِ ثقیف ۹ھ/ ۶۳۱ء سے قبل تبدیلی دین

یہ حقیقت اپنی جگہ پر بالکل اٹل ہے کہ ثقیف و ہوازن نے بہ حیثیت قبیلہ وقوم ۹ھ/ ۶۳۱ء میں ہی اسلام قبول کیا۔ جس طرح قریش مکہ نے ایک سال قبل رمضان ۸ھ/ ۶۳۰ء میں بہ حیثیت قوم وقبیلہ فتحِ مکہ کے بعد ہی اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ کو تسلیم کیا تھا۔ لیکن اس سن فاصل سے قبل متعدد اکابر وسادات اور اشخاص اسلام قبول کر چکے تھے اور اپنے علاقوں میں مقیم بھی رہے تھے۔ ان میں غالباً سب سے پہلے شخص رسولِ اکرم ﷺ کے رضاعی والد حضرت حارثؓ بن عبدالعزیٰ سعدی تھے، جو آغازِ رسالت میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ان کے گھرانے کے افراد خاص کر رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے فرزند اور دختر سب کے سب اسلام لے آئے تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے ثقفی/ ہوازنی اور سعدی افراد بھی یقیناً تھے جو فرداً فرداً اسلام لائے تھے۔

مکی دورِ نبوی میں مشہور ثقفی شاعر امیہ بن ابی الصلت کے ارادۂ قبولِ اسلام کا بہت دل چسپ واقعہ ملتا ہے۔ وہ مشہور شاعر تھے اور قریشِ مکہ سے قریبی تعلق رکھتے تھے کہ ان کی ماں قریشی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کے دوسرے روابط بھی قریش سے تھے۔ ذکرِ رسولِ اکرم ﷺ سنا تو ملاقات کرنے اور پیغامِ اسلام سننے کے لئے بے چین ہو گئے۔ اسی مقصد سے مکے آئے تو قریشی اکابر نے حسب معمول ان کو بھی ملاقاتِ نبوی سے روکنے کی تدبیریں کیں۔ ان میں سے آخری یہ تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ شراب کو حرام قرار دیتے تھے اور امیہ ثقفی اس کے خوگر تھے۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور وہ ملاقات کئے بغیر لوٹ گئے اور اسلام کے نور اور صحبتِ نبوی کے شرف سے محروم رہ گئے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ کا قبولِ اسلام

عام اور قومی پیمانے پر قبولِ اسلام سے قبل حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ کا قبولِ اسلام کا واقعہ بہت اہم

ہے۔ وہ اپنی قوم ثقیف سے ایک معاملے پر جھگڑا کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور غزوۂ خندق ۵ھ/ ۶۲۷ء میں اسلام لائے اور صلحِ حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ اس میں ان کا مشہور ثقفی سردار عروہ بن مسعود ثقفیؓ سے، جو قریشِ مکہ کی طرف سے سفیر وترجمان تھے، سخت مکالمہ بھی ہوا تھا۔ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ ان کے چچا تھے اور حضرت مغیرہؓ کے کارنامے کے پیدا کردہ نتائج، عداوتِ ثقیف کو دور کرنے کا باعث بنے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ ثقیف ہی کے نہیں پورے عرب کے عظیم ترین چار دھاۃ (حکما و سیاست دانوں) میں شامل تھے اور اپنے ذہنِ رسا، شجاعت و بہادری، حکمت و فراست، سیاسی تدبر اور حلم و کرم جیسے اوصاف کے لئے اس وقت بھی مشہور تھے۔ اپنے چچا اور ثقفی سردار مکہ و قریش حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کی مانند وہ بھی قریش سے قریبی تعلقات رکھتے تھے اور ان کے اکابر سے واقف تھے۔ تذکرہ وسوانح نگاروں نے قریشِ مکہ سے ان کے جاہلی دور کے روابط کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ ان کے بیانات بعد کے واقعات کے بارے میں ہی ملتے ہیں۔ (۱۷۱)

اجتماعی اسلامِ ثقیف سے پہلے کے ثقفی صحابہ

بیشتر جدید سیرت نگاروں کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے یا تاثر ملتا ہے کہ سن ۹ھ/ ۶۳۱ء میں وفد ثقیف سے قبل ان میں اسلام بہ طور دین مقبول نہیں ہوا تھا۔ اور بسا اوقات تو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ کسی ایک نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ یہ تاثر صحیح نہیں ہے۔ مختلف اکابر ثقفی صحابہ کرامؓ کے بارے میں ذکر ملتا ہے کہ وہ مدنی دور کے وسط میں اور صلح حدیبیہ کے قبل اسلام لا چکے تھے اور بعض حضرات نے اس سے بھی پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں چند ایک مکی دور کے بھی تھے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، جیسے رسولِ اکرم ﷺ کے رضاعی والد اولین ثقفی مسلم تھے۔ ان میں سے مکہ مکرمہ میں سکونت رکھنے والے ثقفی حضرات وخواتین کو سبقتِ اسلام کا شرف ملا تھا کہ وہ صحبت نبوی سے مستفید ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض نے اسلام کو دینِ حق سمجھ کر قبول کیا تھا اور اس کی تفہیم وحقانیت سمجھنے میں کچھ مدت بھی لگائی تھی اور وہ متاخر دور کے مسلم تھے۔ خاص شہر طائف اور علاقہ ثقیف کے حضرات بھی اکا دکا اسلام قبول کرتے رہے تھے اور ان میں سے زیادہ تر حنین کے بعد یا طائف کے غزوہ کے بعد لیکن وفدِ ثقیف کے قدوم وحاضری سے قبل اسلام قبول کرنے کے لئے مختلف وجوہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے۔

حضرت عامر بن غیلان بن سلمہ بن معتب ثقفیؓ اپنے مشہور والد ماجد اور شیخ ثقیف حضرت غیلان بن سلمہ ثقفیؓ سے پہلے اسلام لائے تھے اور ہجرت کر کے مدینے آ بسے تھے اور اپنے والد کی زندگی ہی میں

طاعون عمواس میں شہید ہوئے۔

حضرت ہمیل بن الدمون بن عبید بن مالک ثقفیؓ اور ان کے بھائی حضرت قبیصہؓ نے حضرت شریدؓ بن سوید ثقفی کے ساتھ مدینہ آکر اسلام قبول کیا تھا اور یہ واقعہ وفدِ ثقیف سے قبل کا ہے۔ ابوالحسن مداینی نے کتاب اخبار ثقیف میں لکھا ہے کہ وہ حضرمی حلیفِ ثقیف تھے اور طائف میں بس گئے تھے۔ حضرت قبیصہؓ کا بنو مالک سے ایک نزاع ہو گیا اور انھوں نے ان کو قتل کرنا چاہا، لہٰذا وہ سب فرار ہو کر مدینے پہنچے تھے۔ (۱۷۲)

حضرت معتب بن مالک بن کعب ثقفیؓ کے بارے میں عام تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھا ہے لیکن ابن حزم اندلسی نے ان کے نسب کے ضمن میں یہ بہت اہم بات لکھی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو ان کی قوم کی طرف اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تھا مگر ان کی قوم نے ان کو شہید کر دیا۔ اس تذکرے میں ان کے زمانۂ اسلام کی صراحت نہیں ملتی اور نہ ہی ان کے دعوت و تبلیغ کے زمانے کی لیکن یہ طے شدہ ہے کہ ان کا قبول اسلام اور تبلیغ دین کا فریضہ ثقیف کے اجتماعی قبول اسلام سے بہت پہلے کا واقعہ ہے غالباً مکی دور کا یا اولین مدنی زمانے کا۔ (۱۷۳)

ازواجِ مطہرات کا ثقیف و ہوازن سے ارتباط

سیرتِ نبوی اور تاریخِ اسلامی کا ایک بہت دل چسپ مبحث یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات کا کافی گہرا ارتباط ثقیف سے تھا اور ان کے بزرگ تر خاندان ہوازن کے اہم خاندانوں سے ان کا نسبی پدری یا مادری تعلق بہت قریبی اور عزیز تر تھا۔ ازواجِ مطہرات کے بارے میں ابھی تک بہت وسیع، ہمہ جہت اور تحقیقی کام نہیں کیا گیا ہے اور جو کچھ کیا گیا ہے وہ خاصا تشنہ ہے۔ ان کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ سے ان کی شادی کا ذکر اصل نکتہ ارتکاز ہوتا ہے اور ان کے سابق شوہروں یا نسب کا ذکر بھی یوں ہی بہ طور حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ بہ ہر حال بعض ازواجِ مطہرات کا نسبی تعلق ہوازن کے خاندانوں سے تھا اور ان کی بہنوں اور دوسرے رشتہ داروں کا قریبی رشتہ ثقیف و ہوازن سے بھی تھا۔ اس مختصر بحث میں ازواجِ مطہرات کے ثقفی و ہوازنی روابط کا ایک تجزیہ کیا جا رہا ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کے ان سے راست رشتے داری کے لحاظ سے اہم ہے اور ان ازواج کے نسبی و ازدواجی رشتوں کے اعتبار سے اہم تر ہے۔

حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیؓ

حضرت زینب بنت خزیمہؓ کا پورا نام و نسب تھا: زینب بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان۔ وہ

اس قبیلے کے ایک اہم خانوادے بنو ہلال بن عامر کی طرف منسوب ہیں اور ہلالی کہلاتی ہیں۔ بڑے قبیلے کے متعدد خاندان تھے جو ہوازن کی اولاد میں چلے تھے: ان میں بنو سعد بن بکر بن ہوازن حضرت حلیمہ سعدیہ کا خاندان تھا۔۲۔ بنو منبہ بن بکر بن ہوازن ثقیف تھے پھر ثقیف کے کئی خاندان تھے جیسے بنو عوف بن ثقیف وغیرہ، ۳۔ بنو معاویہ بن بکر بن ہوازن کے کئی ذیلی خاندان تھے جن میں سے ایک بنو صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن اہم ترین کہ اس میں بہ قول ابن حزم اندلسی ''بیت وعدد'' تھا۔ اسی کے مختلف ذیلی خاندانوں میں سے بنو ہلال بن عامر بن صعصعہ بن بکر بن ہوازن تھا جس سے حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیؓ کا نسبی اور پدری مادری تعلق تھا۔(۱۷۴)

ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیؓ ام المساکین کہلاتی تھیں کہ مسکینوں اور غریبوں سے بہت محبت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ مسلسل حسنِ سلوک کرتی تھیں۔ ان کو کھانا کھلاتی تھیں، ان کی دوسری ضروریات پوری کرتی تھیں اور ان کا خاص خیال کرتی تھیں۔

عام سیرت نگاروں نے قدیم امامانِ سیرت کی اس روایت کو ترجیح دینے پر یا بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے جس کے مطابق حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیؓ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن جحش بن رئاب اسدیؓ کی بیوی تھیں اور غزوۂ احد ۳ھ/ ۶۲۵ء میں ان کی شہادت کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے اسی سال شادی کر لی تھی۔ حضرت عبداللہ بن جحش اسدی/ خزیمیؓ رسولِ اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے کہ آپ ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب ہاشمی کے فرزند تھے۔ ان ہی صحابی جلیل اور پھوپھی زاد بھائی کی بہن حضرت زینبؓ بنت جحش اسدی خزیمی تھیں جو رسولِ اکرم ﷺ کی ایک اور زوجہ اور ام المومنین تھیں۔ حضرت زینب ام المساکین رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں صرف دو تین ماہ رہ کر وفات پا گئیں۔(۱۷۵)

بعض قدیم مآخذ میں دوسرے یا اہم تفصیلات ملتی ہیں جو ترتیب وار حسب ذیل ہیں:

وہ حضرت طفیل بن حارث مطلبیؓ کی بیوی تھیں۔ انھوں نے طلاق دے دی تو ان کے بھائی حضرت عبیدہ بن حارث مطلبیؓ نے ان سے شادی کر لی۔ حضرت عبیدہؓ کی غزوہ بدر ۲ھ/ ۶۲۴ء میں شہادت ہوگئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے ہجرت کے اکتیسویں ماہ میں رمضان میں شادی کر لی۔

وہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آٹھ ماہ رہیں اور ماہ ربیع الآخر کے آخر میں ہجرت کے انتالیسویں ماہ میں انتقال کر گئیں۔

یہ امام ابوعمر/ ابن عبدالبر کی امام زہری سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن جحش اسدیؓ کے نکاح میں تھیں اور غزوہ احد میں انتقال کے بعد وہ صرف دو تین ماہ نکاح نبوی میں رہیں۔ بہ ہر حال کسی

قریشی یا مکی بزرگ کی زوجیت میں رہی ہوں ان کی شادی کا واقعہ مکی دور کا ہے اور وہ مکی وطائفی تعلقات کا ایک اور ثبوت ہے۔

علی بن عبد العزیز جرجانی کی روایت ہے کہ وہ حضرت میمونہؓ کی ماں جائی بہن تھیں: انها کانت اخت میمونة لامها لیکن یہ صرف ان ہی سے مروی ہے اور کسی دوسری جگہ نہیں ملی۔ یہ تمام روایات ابن سید الناس نے نقل کی ہیں۔(۱۷۶)

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے ثقفی رشتے

ازواج مطہرات میں ایک اموی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ (رملہ بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ) ممتاز تھیں۔ ان کا ایک امتیاز یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے غائبانہ شادی کی تھی۔ وہ اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش اسدی/خزیمی کے نصرانی بن جانے کے بعد حبشہ میں تنہا رہ گئی تھیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے وکیل حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ذریعے ان کو شادی کا پیغام بھیجا، اور حضرت خالد بن سعید بن ابی العاص امویؓ نے ان کے وکیل کی حیثیت سے ان کی ترجمانی کی اور ان کا نکاح حضرت نجاشیؓ شاہِ حبش نے خود پڑھایا اور ان کی شادی کی دعوت کو سنتِ انبیا کہہ کر منعقد کیا اور جشن منایا اور حضرت ام حبیبہؓ کا مہر بھی آپ ﷺ کی طرف سے ادا کیا۔(۱۷۷)

حضرت ام حبیبہ امویؓ کی کئی بہنیں جیسے ام الحکم، صخرہ، میمونہ کی شادیاں ثقیف اور طائف میں ہوئی تھیں۔ ان کے کم از کم دو بھائیوں عتبہ بن ابی سفیان اور محمد بن ابی سفیان کی بیویاں بھی ثقفی تھیں۔ ان کی کم از کم دو پھوپھیاں امیہ بنت حرب اور فاختہ بنت حرب الصغریٰ بھی ثقفی خاندانوں میں گئی تھیں۔ ان سب سے ان کی متعدد اولادیں تھیں جو عہد جاہلی اور اسلامی میں معروف ہوئیں اور ان کی ثقفی اولادوں نے اسلامی عہد میں ہاشمی اور دوسرے قریشی خاندانوں میں شادیاں کی تھیں۔ اور ان سے ان کی ہاشمی/قریشی اولادیں تھیں۔ صخرہ بنت ابی سفیان اموی کے فرزند حضرت ابوبکر بن سعید بن اخنس بن شریق ثقفیؓ تھے، جو اپنی خالہ حضرت ام حبیبہؓ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ حضرت ام حبیبہؓ سے نکاحِ نبوی کے وقت یہ سب ٹھوس تاریخی واقعات تھے جن کا علم رسولِ اکرم ﷺ کو بھی تھا۔

کم از کم تین امہات المومنین زینب بنت خزیمہ ہلالی، میمونہ بنت حارث ہلالی اور ام حبیبہ بنت ابو سفیان امویؓ کے ہوازن وثقیف سے قریبی رشتہ داری اور نسبی تعلق نے رسولِ اکرم ﷺ کو ہوازن و ثقیف کے قریب کر دیا تھا۔ عرب سماج میں نکاح وازدواج کا رشتہ بہت اہم سمجھا جاتا تھا کہ وہ دو خاندانوں

اور قبیلوں کے درمیان ہم آہنگی اور محبت پیدا کرتا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے اپنے خاندان بنوعبد مناف کی طرف سے جدی اور مادری تعلقات ثقیف و ہوازن سے بہت قدیم زمانے سے چلے آرہے تھے۔ رضاعت و حضانت نے قریش کے مختلف بطون کو اور آپ ﷺ کو خاص طور سے ثقیف و ہوازن سے وابستہ کردیا تھا۔ تجارت و تمدن کے الگ روابط تھے۔ ان ازواج مطہرات کے رشتے سے ثقیف و ہوازن سے رسولِ اکرم ﷺ کی قربت وقرابت کا غالباً سب اہم رشتہ جڑ گیا تھا۔

حضرت میمونہ بنت حارث ہلالی رضی اللہ عنہا

بنو ہلال بن عامر بن صعصعہ کی ایک اور ام المومنین حضرت میمونہؓ تھیں جو حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیؓ کی ہم قبیلہ تھیں۔ ان کا پورا نام ونسب ہے: میمونہ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبۃ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ ان کا اصل نام برہ تھا مگر رسولِ اکرم ﷺ نے اسے تبدیل کر کے میمونہؓ رکھا۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیؓ کے قریش وثقیف کے خاندانوں سے قریبی تعلق تھا۔ وہ تین بہنیں تھیں: ۱۔ لبابۃ الکبریٰؓ بنت حارث ہلالی، ۲۔ لبابۃ الصغریٰؓ بنت حارث ہلالی اور ۳۔ برۃ/میمونہؓ بنت حارث ہلالی۔

اول الذکر حضرت لبابہ کبریٰؓ رسولِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کی زوجہ اور ان کے فرزندوں بنو العباس کی ماں تھیں۔ اس رشتے سے حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائیوں کی خالہ تھیں اور حضرت لبابہ کبریٰؓ رسولِ اکرم ﷺ کی بڑی سالی اور حضرت عباسؓ اس رشتے کی بنا پر رسولِ اکرم ﷺ کے ہم زلف (سالف) بھی بن گئے اور حضرت عباسؓ کی اولاد کرام کے خالو ہو گئے تھے۔ دوسری بہن لبابۃ الصغریٰؓ مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کی ماں تھیں یعنی شیخِ بنومخزوم/قریش ولید بن مغیرہ مخزومی کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ابن سید الناس کے مطابق حضرت لبابۃ صغریٰ حضرت خالد مخزومیؓ کی بہنوں عصما، عزہ، ام حفید اور ہزیلہ کی ماں بھی تھیں۔ یہ ماں باپ دونوں طرف سے سگے تھے۔ ان کی ماں کی طرف سے ان کی بہنیں عمیس بن معد کی اولادیں اسما بنت عمیس، سلمیٰ بنت عمیس اور سلامہ بنت عمیس تھیں۔ حضرت سلمیٰؓ بنت عمیسؓ، رسولِ اکرم ﷺ کے چچا اور رضاعی بھائی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کی زوجہ اور ان کے بچوں کی ماں تھیں۔ بعض کے مطابق حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیؓ بھی ان کی ماں کی طرف سے بہن تھیں۔ اور ان سب کی ماں تھیں: ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ حمیری۔ بعض روایات کے مطابق حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی مادری بہنوں (اخواتہا

لامہا) کی تعداد نو تھی۔

ابن سید الناس وغیرہ کا مزید بیان ہے کہ حضرت میمونہؓ جاہلی دور میں مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے نکاح میں تھیں۔ ان سے جدائی کے بعد وہ ابورہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی/ قریش کے نکاح میں آئی تھیں۔ دوسرے شوہر عامری/ قریشی کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے ذوالقعدہ ۷ھ/ مارچ ۶۲۹ء میں عمرۃ القضاء کے سفر کے دوران شادی کر لی۔ شبلی وغیرہ کا خیال ہے کہ ''حضرت عباسؓ نے اس نکاح کی تحریک کی'' جب کہ دوسروں کا خیال ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو پیغام دیا تو انھوں نے حضرت عباس کو وکیل بنایا۔ وہ رسولِ اکرم ﷺ کی آخری زوجہ ثابت ہوئیں کہ ان کے بعد آپ ﷺ نے کسی اور خاتون سے شادی نہیں کی۔ اسی سال کی عمر میں ۵۱ھ/ ۶۷۱ء میں وفات پائی جب حضرت عائشہؓ باحیات تھیں۔ (۱۷۸)

حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیؓ کے ثقفی شوہر مسعود بن عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے حوالے کی بڑی اہمیت ہے، جس کا ذکر بعض انساب کی کتب میں تو ملتا ہے لیکن سیرتِ نبوی کے مولفین اس کا ربط صحیح تناظر میں نہیں کرتے اور اہمیت نہیں سمجھاتے۔ یہ وہی مسعود بن عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی ہیں جن کے پاس رسولِ اکرم ﷺ اپنے مشہور سفرِ طائف کے دوران تبلیغ وطلب نصرت کے لئے گئے تھے۔ ذکر آچکا ہے کہ بنو عمیر بن عوف ثقفی کے خاندان کے تین سردار اہم ترین تھے اور تینوں بھائی تھے: ۱۔ عبد یالیل بن عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی، ۲۔ مسعود بن عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی اور ۳۔ حبیب بن عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی اور ان تینوں سے آپ ﷺ نے حمایت بھی طلب کی تھی، جیسا کہ اس واقعے کے بیان میں یہ نکتہ ابھارا جا چکا ہے کہ طائف کا سفر صرف تبلیغ کے لئے نہیں تھا، وہ ہاشمی حمایت ونصرت کے ابوطالب کے انتقال کے بعد ختم ہو جانے کے سبب سے طلبِ حمایت ونصرت کے لئے بھی سفر تھا اور طائف کوئی دشمن، انجان یا بے رس شہر نہیں تھا بل کہ رسولِ اکرم ﷺ کے قریبی عزیزوں اور رشتے داروں کا شہر تھا اور ان سے قریش کی طرح بہت وسیع وعریض تعلقات تھے۔ (۱۷۹)

اس سلسلے میں یہ بھی حقیقت ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ ان تینوں بھائیوں میں سے کسی ایک کی بیوی قریشی تھیں اور ان کا تعلق خاندان بنو جمح سے تھا، ان کا پتہ نہیں لگایا جا سکا۔ کسی نسب نگار یا سیرت نگار نے ان کے بارے میں تفصیل نہیں دی۔ اس خاندانِ قریش سے رسولِ اکرم ﷺ کے بہت قریبی تعلقات تھے اور بعض صحابہ کرام کے بھی خاص کر حضرت عمرؓ کے حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ اور ان کا خاندان سابقین اولین میں شامل تھا اور وہ حضرت عمرؓ کے قریبی عزیز تھے۔ ان کے علاوہ صفوان بن امیہ جمحیؓ اور ان کا خاندان،

عمیر بن وہب جمحیؓ اور ان کے فرزند وہب بن عمیر جمحیؓ اور بہت سے دوسرے صحابہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے قریبی تعلقات تھے۔ اگرچہ امیہ بن خلف جمحی اور ان کے دوسرے بھائی ابی بن خلف جمحی وغیرہ اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ سے عناد رکھتے تھے، لیکن قرابت کا خیال بھی رکھتے تھے۔ ان دونوں کی مائیں ثقفی تھیں۔ ان کے علاوہ متعدد اکابر وشیوخ کی مائیں، بیویاں قریش کے بزرگ تر خاندان بنو عبد مناف میں سے تھیں اور بہت سی جمحی خواتین کی شادیاں قریش کے اس خاندان اور خاص رسولِ اکرم ﷺ کے خاندان سے وابستہ تھیں۔ ثقفی، جمحی اور قریشی خواتین نے متعدد دوسرے خاندانوں سے رشتے استوار کرکے ایک طرح کی سماجی ہم آہنگی پیدا کی تھی اور قبائلی زندگی اور معاشرے میں اس کی بڑی قیمت تھی۔ (۱۸۰)

ثقیف وہوازن کی مخالفتِ حق

اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں ثقیف وہوازن کا رویہ بالکل قریشِ مکہ کی مانند رہا تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے قبائلِ عرب کا بھی، بدوی ہوں یا شہری، یہی رویہ تھا۔ مکی دورِ نبوی میں بالخصوص قومی اور قبائلی سطح پر انھوں نے مخالفتِ حق اور عنادِ رسولِ اکرم ﷺ کی راہ اپنائی تھی۔ قریشِ مکہ کے سادات و اکابر کے ساتھ ان کے زیرِ اثر عوام کا بھی یہی رویہ تھا۔ بہت سے افراد اور متعدد طبقات نے بلاشبہ مکہ میں اور دوسرے قبائل ومقامات میں اسلام قبول کیا تھا اور رسولِ اکرم ﷺ کی اتباع کی تھی لیکن قومی اور قبائلی سطح پر صرف عناد وانکار ہی ان کا وطیرہ رہا تھا اور یہی ثقیف وہوازن کا بھی قومی وطیرہ اور انفرادی رویہ رہا تھا۔

قریشِ مکہ کے ساتھ ثقیف وہوازن کے بہت سے مفادات بھی وابستہ تھے۔ ان میں سیاسی، سماجی اور تجارتی مفادات بھی تھے۔ سماجی اور قبائلی قربت وقرابت نے ان کو عرب کے سب سے بڑے، طاقتور اور بااثر قبیلے کے ساتھ وابستہ رہنے پر بڑی حد تک مجبور کیا تھا۔ مخالفتِ حق میں قریش وثقیف دونوں کی دینی ومذہبی وجوہ سے زیادہ سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تہذیبی وتمدنی وجوہ کارفرما رہی تھیں۔ ان ہی وجوہ و عوامل سے ثقیف وہوازن نے مخالفتِ حق کے باب میں قریشِ مکہ کے ساتھ، ہر معاملے اور ہر اقدام میں بھرپور تعاون کیا تھا۔ مکی دورِ نبوی میں ثقیف وہوازن اور قریشِ مکہ دونوں کی مخالفتِ حق میں بڑی مماثلث ومشابہت ملتی ہے۔ دونوں بہ حیثیت مجموعی دشمن تھے۔ مکہ مکرمہ میں مقیم ثقفی اشراف کی عناد ومخالفتِ اسلام کا وہی انداز تھا جو قریشی اکابر واشراف کا تھا۔ دونوں کے اکابر بھی ایسے ہی تھے۔ اخنس بن شریق ثقفی اور ابوسفیان بن حرب اموی اور ابوجہل مخزومی کا متحدہ محاذ بھی حق وصداقت جاننے کے باوجود انھیں تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔ یہی دوسرے ثقفی ساداتِ مکہ اور قریشی شیوخِ مکہ کا رویہ و وطیرہ تھا اور یہی ثقیف

طائف کا قومی اندازِ عناد تھا۔ یہ بھی دل چسپ بات ہے کہ جس طرح قریشی اکابر میں بعض اعتدال پسند تھے اور رسولِ اکرم ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہتے تھے اسی طرح ثقفی ساداتِ مکہ اور ہوازنی شیوخِ طائف بھی تھے۔ اخنس بن شریق ثقفیؓ اور عروہ بن مسعود ثقفیؓ وغیرہ ساداتِ مکہ کے طرزِ عمل کا موازنہ اکابرِ قریش عتبہ بن ربیعہ، اس کے بھائی شیبہ، حکیم بن حزام اسدیؓ، طالب بن ابی طالب ہاشمی اور بنوزہرہ و بنو عدی کے شیوخ سے کیا جائے تو ان میں کافی مشابہت نظر آتی ہے کہ وہ قبولِ حق کے لئے تیار نہ تھے مگر تشدد آمیز مخالفت کے حق میں بھی نہ تھے۔ (۱۸۱)

مدنی عہدِ نبوی میں بھی قریشی وثقفی سادات کے ان ہی دو طبقات یا احزاب کی باہمی منافست و مسابقت نظر آتی ہے۔ ثقفی سادات وشیوخِ مکہ کاروانِ تجارت کو بچانے اور اپنے تجارتی واقتصادی تحفظ کی خاطر قریشی فوج میں ضرور شامل ہو گئے تھے اور قریش کے پورے ہم نوا تھے، لیکن جیسے ہی کاروانِ تجارت کی خیر و عافیت کے ساتھ واپسی کی خبر ملی انھوں نے جنگ وجدال سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جس طرح ان کے زیرِ اثر قریش کے خاندان بنوزہرہ نے یا ان کے اثر سے باہر خاندانِ بنوعدی اور بعض ہاشمی افراد نے پہلوتہی کی تھی۔ غزوہ بدر میں جنگ وجدال سے عین قبل متعدد اکابرِ قریش عتبہ وشیبہ جیسے لوگ اپنے ہم قبیلہ اور رشتے دار سے جنگ کرنے کے حق میں نہ تھے۔ (۱۸۲)

قومی مفادات اور حلف ومعاہدے کے تحفظات کی خاطر قریش مکہ کے ساتھ ثقیفِ مکہ وطائف نے ہر قدم پر تعاون کیا تھا۔ غزوۂ بدر کے سانحے کے بعد جب قومی عربی انتقام کی خاطر اور اس سے زیادہ عزتِ نفس وقوم کے تحفظ کی خاطر اقدام کا وقت آیا تو ثقیف اور ان کے اکابر نے ہر طرح سے قریشی اکابر اور ان کے سالاروں کے ساتھ تعاون کیا۔ اس کی بہت عمدہ مثالیں، دل چسپ واقعات اور نمائندہ روایات ہر اقدامِ قریش کے حوالے سے ملتی ہیں۔

غزوۂ احد: ۳ھ/ ۶۲۵ میں جب قریشِ مکہ تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑے تو ان کا ساتھ دینے کے لئے ثقیف کا جنگی دستہ ساتھ تھا۔ ان کے اکابر وشیوخ بھی تھے حتی کہ رجز خوانی اور حوصلہ افزائی کرنے کے لئے خواتین قریش کے ساتھ ثقفی ازواج بھی ساتھ تھیں۔ دونوں نے مل کر مخالفتِ حق کی اس پر تشدد کاروائی میں برابر کا حصہ لیا تھا۔ قریش کے مقتولوں میں ۲۳ افراد شامل تھے، ان میں سے ایک ابوالحکم بن الاخنس بن شریق ثقفی تھے جو بنوزہرہ کے ایک حلیف تھے۔ وہ مشہور ثقفی شیخ مکہ اخنس ثقفی کے فرزند تھے۔ ان کے علاوہ خاص ثقیف عرب کے بعض طبقات بھی شامل تھے جن کا ذکر عمومی ملتا ہے۔ (۱۸۳)

غزوۂ خندق: ۵ھ/ ۶۲۷ء

قریشِ مکہ نے اسلامی ریاست و دین کو یک سر مٹا دینے کے لئے اپنے حلیفوں کے ساتھ ایک لشکرِ جرار ترتیب دیا۔ اس کی عددی قوت دس ہزار تھی اور اس میں مختلف قبیلوں اور گروہوں کے فوجی دستے شامل تھے اس لئے اس کو احزاب کہا گیا۔ اہلِ سیر میں سے ابن اسحاق/ ابن ہشام، ابن سعد/ واقدی، ابن سید الناس وغیرہ متعدد معتبر مولفین نے ان کی تفصیلات دی ہیں۔ محدثین اور ان کے شارحین نے ان کو نقل کرنے کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث سے ان پر اضافہ کیا ہے یا دوسری روایات نقل کی ہیں۔ قریشِ مکہ اور ان کے احابیش وحلفا کی تعداد چار ہزار تھی جن کے قائد ابوسفیان بن حرب اموی تھے، جو احزاب کے سالارِ اعلیٰ بھی تھے۔ ان میں سے ثقیف کے سپاہی اور ان کے سالار بھی شامل تھے۔ بلاذری نے وضاحت سے لکھا ہے کہ قریش کے ساتھ کنانہ اور ثقیف کے اتحادی شامل تھے اور دوسرے حلفائے قریش بھی۔ (۱۸۴) احزاب کی قبائل وار طاقت یہ تھی:

قریش اور ان کے احابیشِ عرب: ۴ (چار) ہزار۔

بنو سُلیم: سات سو، ان کے قائد سفیان بن عبد شمس تھے جو حرب بن امیہ کے حلیف تھے۔

بنو اسد: زیرِ قیادت طلیحہ بن خویلد اسدی

بنو فزارہ: ایک ہزار: ان کی سالاری عیینہ بن حصن فزاری کے ہاتھ میں تھی۔

بنو اشجع: چار سو: ان کے قائد تھے: مسعود بن رُخیلہ

بنو مرۃ: چار سو: ان کے قائد حارث بن عوف تھے

ان کے علاوہ بھی دوسرے ان کے ساتھ شامل تھے۔ (۱۸۵)

غزوہ صلحِ حدیبیہ: ۶ھ/ ۶۲۸ء

واقعہ صلحِ حدیبیہ اصلاً ایک دینی اور مذہبی رکن کے ادا کرنے کے سفر کا باعث بنا تھا۔ یعنی عمرہ کرنے کا باعث، لیکن قریشِ مکہ کے بعض اکابر کی دین دشمنی اور عنادِ رسولِ اکرم ﷺ کے سبب وہ ایک سیاسی اور فوجی قسم کا واقعہ بن گیا جس کے بڑے اہم نتائج نکلے۔ قریشِ مکہ اور عرب کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا جب کسی عرب قوم کے ایک طبقہ یا جماعت کو مکہ آنے سے روکا گیا تھا۔ متعدد قریشی اکابر کے ساتھ ساتھ دوسرے شیوخ وسادات مکہ نے قریش کے اس ظالمانہ بل کہ کافرانہ رویے سے اختلاف کیا تھا۔ ان میں شاید سب سے اہم عروہ بن مسعود ثقفیؓ تھے جن کا احترام واکرام تمام ساداتِ مکہ بہ طور والد و مربی کرتے

تھے، لیکن ان کے مشورے کو بھی کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے دیا جائے اور ان کے معاملے و تجویز کو قبول کرلیا جائے شدت پسندوں نے مسترد کردیا تھا۔(۱۸۶)

غزوہ فتح مکہ: ۸ھ/ ۶۳۰ء

شرائطِ صلح حدیبیہ کے مطابق اکابرِ قریش اور ان کے تمام حلفا بہ شمول ساداتِ ثقیف نے مسلمانوں کو اگلے سال ۷ھ/ ۶۲۹ء میں عمرہ کی قضا ادا کرنے کی اجازت دی اور مسلمانوں نے اس کو ادا کیا، اسی لئے اس کا نام عمرۃ القضا پڑ گیا۔ اس کے ایک سال بعد ہی قریش کے بعض اکابر و طبقات نے مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ پر حملہ کر کے قتل و غارتگری کی اور معاہدۂ حدیبیہ کو توڑنے اور منسوخ کرنے کا اعلان کردیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس سبب سے اگلے سال مکہ مکرمہ پر ایک لشکرِ جرار کے ساتھ فوج کشی کی اور تمام سالاروں و مدبرانِ قریش کی فراست و ہوش مندی اسلامی فوج کے اچانک اقدام کے سامنے دم بہ خود رہ گئی اور مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ قریشی اکابر ہی جب کچھ نہ کر سکے تو ان کے ثقفی حلفا کیا کر سکتے تھے۔ اسلامی فتح کے ساتھ قریش اور ان کے حلیفوں کی دینی، سیاسی اور فوجی مزاحمت کا خاتمہ ہوگیا اور ان کے لئے اسلام لانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔(۱۸۷)

غزوۂ حنین و طائف: ۸ھ/ ۶۳۰ء

ہوازن و ثقیف اپنے حلیف و عزیز قریش اور ان کے شہر کو تو اسلامی قبضہ میں جانے سے نہ روک سکے، لیکن فتحِ مکہ نے ان کو یہ سمجھا دیا کہ اگلی نوبت ان کے علاقے و قوم پر آنے والی ہے کہ وہ دوسری بڑی قوت مزاحمت اس علاقے میں تھی۔ انھوں نے اسلامی فوجی اقدام و فوج کشی کی موثر مزاحمت کے لئے اپنی ساری فوجی قوت حنین کے میدانِ جنگ میں جمع کردی۔ ایک فوجی تدبیر ان کے ذہن میں یہ بھی رہ گئی تھی کہ وہ اپنی فوجی مزاحمت و طاقت کے ذریعے مکے و قریش کو دوبارہ طاقت آزمائی کے لئے برانگیختہ کریں، کیوں کہ وہ اچانک مارے گئے تھے اور ان کی غفلت نے ان کو مقاومت و مقابلے کا ذرا بھی موقع نہیں دیا تھا۔(۱۸۸)

رسولِ اکرم ﷺ کو فتحِ مکہ کے معاً بعد ثقیف و ہوازن کی فوجی سرگرمیوں کی پختہ خبر مل گئی تھی اور آپ ﷺ نے اس کا پکا عزم کرلیا تھا کہ ان کو اقدام کر کے مکے پر حملہ کرنے کا موقعہ نہ دیں گے لہٰذا آپ نے مزید تیاری کے ساتھ اور ایک برتر فوج کے ساتھ حنین کے میدانِ جنگ کا رخ کیا۔ اکثریت کے گھمنڈ اور حربی بے تدبیری کی وجہ سے اسلامی شہسوار دستوں کو پس پائی پر مجبور کیا گیا اور ان کی بے محابا پسپائی نے پوری اسلامی فوج کے پیر اکھاڑ دئے۔ ان میں طلقائے مکہ کا ذرا بھی قصور نہ تھا۔ بہ ہر حال رسولِ اکرم

ﷺ اور جاں نثار صحابہ کرام کی صلابت وعزیمت نے بھاگتی فوج کے قدم جما دیے اور ان کو ایک شان دار فتح دلائی۔(۱۸۹)

حنین کے میدانِ جنگ میں ہوازن وثقیف کی بدترین شکست نے ان کو طائف کے مستحکم قلعے میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اوطاس کے معرکے کے بعد قلعہ طائف کا محاصرہ کر لیا، جو طول کھینچتا گیا کہ بہ قول عرب لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی تھی۔ محاصرے کے دوران متعدد افراد وطبقات خاص کر ثقیف کے غلاموں نے قلعے سے اتر کر دامنِ رسالت ﷺ میں پناہ لی اور اسلام لے آئے۔ مشیروں اور جنگی ماہروں کے مشورے نے رسولِ اکرم ﷺ کو یقین دلایا کہ مزید محاصرہ جاری رکھنا بے سود ہے اور محاصرہ اٹھا لینے کے بعد بھی ثقیف وہوازن فوجی اقدام نہیں کر سکیں گے کہ ان کو اسلامی طاقت کا اندازہ ہو گیا تھا اور وہ حقیقت شناس لوگ بھی تھے۔ ثقیف وہوازن کی مخالفتِ حق کا سلسلہ اسی کے ساتھ ختم ہو گیا اور اب ان کی حمایت ونصرتِ نبوی کا دور شروع ہونے والا تھا۔(۱۹۰)

ثقیف وہوازن کا اسلام میں داخلہ

غزواتِ حنین، اوطاس اور طائف کے دوران اور ان کے معاً بعد بعض اہم افراد وشیوخ اور طبقات نے اسلام قبول کیا۔ طائف کے محاصرے کے زمانے میں سب سے اہم واقعہ ثقیف کے غلاموں کے بہ حیثیت جماعت اسلام قبول کرنے کا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اعلانِ عام کر دیا تھا کہ جو غلام ومولیٰ اسلامی لشکر کے سامنے خود سپردگی کرے گا اور اسلام لائے وہ اسی وقت آزاد کر دیا جائے گا۔ اس اعلانِ رحمت نے غلامان ثقیف کی ایک پوری جماعت کو قبولِ اسلام کے لئے آمادہ کر دیا اور وہ اسلامی لشکر گاہ میں مجاہدانہ سرفروشی کے ساتھ آ گئے۔ ان میں سے بعض بعض کو تو اسلام کی خاطر اپنے سروں کو نچھاور کرنا پڑا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کی اسلامی تعلیم وتربیت کی خاطر ان کو مختلف صحابہ کرام کے سپرد کر دیا اور انھوں نے ان کی تعلیم وتربیت کی۔ غالباً اسی نبوی نظامِ تعلیم وتربیت نے اس زمانے میں اور بالخصوص خلافتِ راشدہ وخلافتِ امویہ کے ادوار میں موالی کی تعلیم وتربیت کا بڑا وسیع نظام مرتب کرایا اور موالی کے سرپرستوں نے تن من دھن سے ان کی پرورش وتربیت کی اور اس صفِ موالی سے اسلام کے جلیل القدر مفسرین، عبقری محدثین، مایہ ناز فقہا اور قابلِ افتخار سیرت نگار اٹھے جنھوں نے علوم وفنون کو معراج پر پہنچا دیا۔ علومِ اسلامی اور فنونِ دنیاوی کے ارتقا میں طبقہ موالی کے کردار وحصہ کا تجزیہ ابھی تک اہلِ علم وتحقیق پر قرض حسنہ ہے۔(۱۹۱)

۱۔ حضرت ابوبکرہؓ

۲۔ حضرت منبعثؓ (جاہلی نام مضطجع تھا) عثمان بن عمار بن معتب کے جو غلام تھے۔

۳۔ حضرت ازرقؓ بن عقبہ بن ازرق جو بنو مالک کے شیخ کلدہ ثقفی کے غلام تھے۔ پھر بنو امیہ کے حلیف اور مصاہرت کے رشتے دار بن گئے۔

۴۔ وردانؓ جو عبداللہ بن ربیعہ ثقفی کے غلام تھے۔ ازرق اور وردان بالترتیب حضرات خالد بن سعید اور ابان بن سعیدؓ کے حوالے کئے گئے۔

۵۔ یحنس النبالؓ جو یسار بن مالکؓ کے غلام تھے اور ان کے آقا بھی بعد میں مسلمان ہوگئے اور رسول اکرم ﷺ نے انھیں کا مولی بنا دیا۔

۶۔ ابراہیم بن جابرؓ جو خرشہ ثقفی کے غلام تھے۔

۷۔ یسار غلامِ عثمان بن عبداللہ۔

۸۔ ابو بکرہؓ نفیع بن مسروح جو حارث بن کلدہ کے غلام تھے۔ حضرت عمروؓ بن سعید بن العاص کی تولیت میں دیے گئے۔

۹۔ ابو السائب نافعؓ جو غیلان بن سلمہؓ کے غلام تھے اور غیلانؓ بھی اسلام لے آئے تو ان کو اپنے سابق غلام کی ولاء مل گئی۔

۱۰۔ مرزوقؓ جو عثمان کے غلام تھے۔

یہ سب غلامانِ ثقیف تھے اور ان سب کو رسول اکرم ﷺ نے آزاد کردیا اور ان کو مسلمانوں میں سے کسی ایک کے حوالے کر دیا، تاکہ ان کی پرورش و پرداخت کریں۔ بعض کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور بعض دوسرے مربی تھے: یحنس النبال حضرت عثمان بن عفانؓ اموی کے حوالے کئے گئے، یسارؓ بن مالک حضرت سعد بن عبادہؓ کے، ابراہیمؓ بن جابر حضرت اسید بن حضیر کے، رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ان غلاموں کو قرآن پڑھائیں اور سنتیں سکھائیں: وامرھم ان یقرتوھم القرآن ویعلمو ھم السنن (۱۹۲)

طائف کے محاصرے کے کچھ ماہ بعد ثقیف کے ایک عظیم و با اثر سردار حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ نے مدینے جا کر اسلام قبول کیا۔ اسلامی محاصرے اور غزوۂ نبوی کے دوران حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ ابن سعد کے مطابق یمن/ جرش گئے تھے تاکہ منجنیق اور دبابہ (قلعہ شکن آلات حرب) وغیرہ بنانے اور ان کے استعمال کرنے کی تکنیک سیکھیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کو اپنے محاصرے کے دوران بعض ایسے قلعہ شکن آلاتِ حرب ملے بھی تھے۔ بہ ہر حال وہ اس غزوہ کے زمانے میں طائف میں موجود نہ تھے۔ واپس آئے تو اسلام ان کے دل میں اتر آیا۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ اور ان کے بعض اصحاب وحلفا مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے۔ (۱۹۳)

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کو ثقیف واہلِ طائف میں دعوت عام کرنے کی لگن لگ گئی اور انھوں نے واپس جا کر طائف میں سکونت اختیار کرنے اور تبلیغِ دین کرنے کا عزم مصمم کرلیا۔ اس میں بہت سے خطرات تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو ان کا احساس تھا اس لئے حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کو منع بھی کیا کہ ابھی وہاں نہ جائیں کہ ان کی جان کو خطرہ ہے۔ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کو اپنی حفاظت اور اپنے عزیزوں کی امداد کا پختہ یقین تھا، لہٰذا وہ تبلیغِ اسلام کے لئے طائف پہنچ گئے۔ ان کو بہ ہر حال دھوکے سے شہید کردیا گیا اور رسولِ اکرم ﷺ کی پیش گوئی بہ قول ابن سعد وغیرہ حرف بہ حرف پوری ہوگئی۔ (۱۹۴)

حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کی شہادت کے بعد ان کے فرزند حضرت ابوملیح اور ان کے بھتیجے حضرت قارب اسود بن مسعودؓ نے اہلِ طائف سے رشتہ توڑ لیا اور طائف سے مدینہ پہنچ کر اسلام سے ناطہ جوڑ لیا۔ ان دونوں کو رسولِ اکرم ﷺ نے مشورہ دیا کہ وہ اپنے ماموں حضرت ابوسفیان بن حرب امویؓ کے حلیف بن جائیں اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ مدینے میں حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ کے مہمان بنے تا آں کہ رمضان ۹ھ/ جنوری ۶۳۱ء میں ثقیف کا وفد اسلام لانے کے لئے آیا۔

شہادتِ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ پر ثقیف کے تمام بڑے شیوخ واکابر نے قصاص لینے کا ارادہ کیا حال آں کہ وہ ابھی مسلم نہیں تھے۔ اکابرِ ثقیف کا یہ اجتماعی فیصلہ دراصل ان کی قومی حمیت اور جاہلی عصبیت کا ہی معاملہ نہیں تھا بلکہ ان کے سماجی نظام تحفظ کا موثر ترین طریقہ تھا۔ (۱۹۵)

وفدِ ثقیف کی مدینے آمد اور قبولِ اسلام

رمضان ۹ھ/ جنوری ۶۳۱ء میں ثقیف کے اکابر نے فیصلہ کیا کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ سے جا کر مدینے میں ملاقات کریں۔ طائف کے محاصرے کے بعد ثقیف وہوازن کے اکابر وشیوخ دراصل بڑے مخمصے میں پڑ گئے تھے۔ وہ اسلام قبول کرنا چاہتے تھے اور نہ مدینے کی اطاعت وفرمانبرداری۔ دونوں صورتیں ان کے لئے سوہان روح تھیں: اول میں ان کے دین کا ضیاع تھا اور دوسری میں عزت کا۔ مگر ان کی اس سے زیادہ مشکل یہ تھی کہ پورا عرب بالخصوص قریشِ مکہ جیسا طاقت ور قبیلہ سرنگوں ہوکر اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ ان حالات میں وہ اپنی آزادی اور اپنا دین ومذہب اور اپنی تہذیب کچھ بھی بچا نہیں سکتے تھے لہٰذا صورتِ حال کے جائزے کے لئے وفد بھیجنا طے کیا، تاکہ رسولِ اکرم ﷺ سے مختلف شرائط تسلیم

کرا کرا اپنی ساکھ کسی نہ کسی طرح بچا لے جائیں۔ اسی لئے انھوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے متعدد شرائط رکھیں:

ان کے مندر اور دیوی۔ صنمکدہ لات ۔ کو تین سال/ ایک سال یا ایک ماہ تک نہ منہدم کیا جائے۔

اس کے انہدام کے لئے اپنے اصحاب کو بھیجئے۔

نماز سے ان کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔

زنا کو ہمارے لئے حرام نہ کیا جائے کہ ہماری جنسی ضروریات کی تشفی کے لئے وہ ناگزیر ہے۔

سود کو حرام نہ کیا جائے، کیوں کہ ہمارے تمام اموال ربا ہیں: **فان اموالنا کلھا ربا**......۔

شرابِ ناب ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہمارے انگوروں کے باغات اسی کی بنا پر قائم اور ہماری تجارت اسی پر استوار ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے ان کی تمام شرائط مسترد کر دیں، کیوں کہ ارکانِ اسلام یا حرام چیزوں سے متعلق تھیں۔ اس پر وفد کے قائد عبد یالیل نے دوسرے ارکان سے کہا کہ ہم ان تینوں خصال (چیزوں) کی تحریم کے ساتھ اپنے لوگوں/ قوم کے پاس جائیں گے تو بڑی خرابی ہوگی۔ ثقیف شراب و زنا اور سود پر کبھی صبر نہیں کر سکتے۔ تمام ارکانِ وفد اس مسئلے پر غور کرتے رہے۔ ان کا احساس بالکل صحیح تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ساری زمینِ عرب کو تلپٹ کر دیا اور ہم اس کے ایک کونے میں قلعے میں پڑے ہیں۔ اسلام اس کے اردگرد پھیل رہا ہے، اگر ہم ایک ماہ بھی اپنے قلعے میں محصور رہے تو بھوکوں مر جائیں گے اور اسلام کے سوا کوئی دوسرا چارہ بھی نہیں اور اس کے سوا ہمارا حشر بھی مکے کی طرح ہوگا۔ بہ ہر حال غور وفکر اور قیام کے دوران رسولِ اکرم ﷺ کی حکمت آمیز فراست وطریقت کے سبب انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد مزید بات چیت ہوئی اور وفدِ ثقیف کے ارکان نے تمام شرائطِ نبوی تسلیم کر کے معاہدۂ صلح کی تکمیل کی اور اپنے دستخط کر دیے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے ثقیف کے وفد کے قیام وطعام کے لئے بہترین انتظامات کئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ خاص سفیرانِ نبوی تھے۔ موخر الذکر کی مساعی سے گفت گو اور مصالحت کا دروازہ کھلا، وہی رسولِ اکرم ﷺ کی طرف سے کھانا لے جاتے تھے اور خود پہلے چکھ کر ان کو کھانے کے بارے میں اطمینان وتسلی دلاتے تھے اور آخر کار ان ہی کی مساعی سے وفدِ ثقیف سے معاہدہ صلح ہوا اور جس کو حضرت خالد سعید بن امویؓ نے ہی اپنے قلم سے لکھا تھا۔ (۱۹۶)

وفد ثقیف کے اسلام لانے کی ایک بڑی وجہ رسولِ اکرم ﷺ کی تبلیغ وتعلیم دین کی حکیمانہ طریقت و

فطرت تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ اگرچہ اپنی قوم کے میزبان تھے کہ ان کے گھر میں ان کے قریبی اعزہ اور اقربا اتارے گئے تھے، لیکن ان کا اصل قیام ان تین خیموں میں رہتا تھا جہاں وہ دن رات رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی تلاوت و نماز وغیرہ دیکھا اور سنا کرتے تھے۔ رات میں وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اور تہجد کا نظارہ کرتے اور فرض نمازوں کی صفوں کا دل ربا منظر دیکھتے تو ان کے دل لرز لرز جاتے اور منزلِ مغیرہؓ کو لوٹتے تو کھانا کھاتے اور ہاتھ منہ دھوتے اور پھر مسجد میں نصب خیموں میں آجاتے۔ منزلِ مغیرہؓ میں ضیافت نبوی ہی ہوتی۔ وہ رسولِ اکرم ﷺ کا خطبہ سنتے لیکن اس میں آپ کو اپنا ذکر کرتے نہ پاتے تو حیرت سے کہتے کہ ہمیں تو محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت دینے کا حکم دیتے ہیں، لیکن خود آپ اپنے خطبے میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو ان کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: میں تو اولین شخص ہوں جس نے گواہی دی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں اپنی رسالت کی شہادت بڑھادی۔ کئی دنوں تک ارکانِ وفد اسی طرح آتے جاتے رہے اور قرآن سنتے اور نماز دیکھتے رہے اور دین و قرآن کے بارے میں استفسار کرتے رہے۔ قائدِ وفد کے کئی اصحاب نے خفیہ طور سے اسلام قبول کرلیا۔ اپنے وفد کے سب سے کم عمر رکن حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ کو بالعموم بڑے ارکان خیمے میں ہی چھوڑ جاتے تھے یا منزلِ مغیرہؓ میں لیکن ان ہی کو سب سے زیادہ دین سے دلچسپی تھی۔ لہٰذا وہ موقع پاکر رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آتے۔ ان زیارتوں میں ان سے قرآن کی کئی سورتیں سیکھ لیں۔ جب آپ ﷺ کو محوِ خواب پاتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے قرآن و دین سیکھتے تھے اور ان کی عدم موجودگی میں حضرت ابی بن کعبؓ سے تعلیم دین حاصل کرتے۔ وفد میں وہ اولین شخص تھے جنھوں نے اسلام کی سمجھ حاصل کی اور برملا اسلام قبول کیا۔ ان کی دین کی حرص اور اسلام کی محبت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ ان سے بہت محبت فرماتے تھے اور قدر کرتے تھے۔ (۱۹۷)

ثقیف کے وفد کے تمام ارکان نے بالآخر اسلام کو دینِ حق سمجھ کر قبول کرلیا۔ ان میں شامل تھے:

بنوالاحلاف کے دو ارکان: ۱۔ الحکم بن عمرو بن وہب بن معتب، ۲۔ شرحبیل بن غیلان بن سلمہ بن معتبؓ۔ یہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کا بطن (رھط) تھا اور عظیم ترین ثقفی صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ کا بھی۔

بنو مالک کے تین ارکان تھے: ۱۔ عثمان بن ابی العاص، ۲۔ اوس بن عوف، ۳۔ نُمیر بن خرشہؓ۔

وفد رئیس/ شیخ عبدیالیل بن عمرو ثقفیؓ تھے، جو ثقیف کے عظیم ترین شیوخ و سادات میں شمار ہوتے تھے۔ اس وفد کی تشکیل بھی خاصی مشاورت، بحث ومباحثے اور حکمت و فراست کے بعد ہوئی تھی جو حالات

کا تجزیہ بھی کرتی ہے۔ مورخین اور سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ بنو علاج کے شیخ عمرو بن امیہ ثقفی عرب کے عظیم ترین سیاست داں (ادھی العرب) تھے۔ ان کے تعلقات عبد یالیل سے بہت اچھے نہ تھے تاہم ان کے بلانے پر شیخِ ثقیف ان کے گھر گئے جہاں عمرو بن امیہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ بحث وگفت گو کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ تمام عرب اسلام لے آیا اور ثقیف میں ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ ہمارے سامنے ایک ایسا معاملہ ہے جس سے مفر نہیں۔ ہم اپنے اس قلعے میں کب تک محفوظ رہ سکیں گے جب کہ چاروں طرف مخالفین موجود ہیں۔ لہٰذا کیا کرنا چاہئے۔ عبد یالیل ثقفی بھی ان سے متفق تھے لہٰذا آپ مشورہ دیں کہ کیا کرنا چاہئے کہ آپ حزم ورائے کے پیکر جمیل ہیں۔ عمرو بن امیہ ثقفی نے کہا کہ میں نے ثقیف سے مشورہ کیا اور ان کی رائے لی تو ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس ایک سفیر بھیجا جائے جیسے پہلے عروہ بن مسعود ثقفیؓ جا چکے تھے لہٰذا عبد یالیل کو بھیجا جائے۔ انھوں نے عبد یالیل بن عمرو بن عُمیب سے بات کی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ وہ حضرت عروہؓ کے ہم عمر تھے اور ان کے انجام سے خوفزدہ بھی کہ اگر وہ مسلمان ہو کر واپس آئے تو ان کے ساتھ وہی کچھ نہ کیا جائے جو حضرت عروہؓ کے ساتھ ہوا، لہٰذا باہمی مشاورت کے بعد یہ طے ہوا کہ چند اشخاص پر مشتمل وفد بھیجا جائے۔ اس بحث واجماع کے نتیجہ میں مذکورہ بالا چھ نفری وفد مدینہ منورہ بھیجا گیا جس کے سردار اور صاحب امر عبد یالیل ثقفیؓ تھے۔ بعض روایات جو "یقال" (کہا جاتا ہے) کے لفظِ تضعیف کے ساتھ نقل ہوئی ہیں وفد میں دس سے اوپر (بضعۃ عشر) ارکان کو شامل بتاتی ہیں اور ان میں سفیانؓ بن عبد اللہ کا نام بھی شمار کرتی ہیں۔ بعض اور ثقفی اشخاص و افراد کا ذکر بھی ہے لیکن وہ ارکانِ وفد میں شامل نہ تھے۔ (۱۹۸)

ثقیف کا اجتماعی اسلام

حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کے حادثہ شہادت سے زیادہ ثقیف و ہوازن کی مخالفتِ اسلام نے ارکانِ وفد کو دہلا رکھا تھا۔ خود ارکانِ وفد تو مسلمان ہو گئے تھے اور دل سے مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کے سامنے یہ سخت مرحلہ درپیش تھا کہ ثقیف کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کیسے کریں اور ان کو اسلام میں داخل ہونے کو کیسے کہیں؟ لہٰذا انھوں نے باہمی مشورہ سے ایک حکمت عملی اپنائی جو نومسلم داعیوں کے لئے ایک اسوہ ومثال بن سکتی ہے۔ سیرت نگاروں نے بالعموم اس مشکل مرحلہ کو نظر انداز کر دیا ہے اور آخری نتیجہ پیش کر دیا ہے کہ بالآخر ایک دو سال کے عرصے میں ثقیف اسلام میں بخوشی داخل ہو گئے۔ وفدِ ثقیف کے طریقہ کار نے ایک دل چسپ نفسیاتی حربہ دکھایا ہے۔

حضرت عبد یالیلؓ نے ارکان کو ہدایت کی کہ میں ثقیف کو سب سے زیادہ جانتا ہوں لہٰذا تم لوگ ''قضیہ'' چھپائے رکھنا۔ یعنی اپنے اسلام لانے کو راز رکھنا۔ ان لوگوں کو حرب وقتال کا خوف دلانا اور ان کو بتانا کہ محمد ﷺ نے ہم سے چند امور کا مطالبہ کیا جن کو ہم نے بہت ناپسند کیا اور ان کو ماننے سے انکار کردیا۔ وہ ہم سے زنا اور خمر (شراب) کی تحریم کا مطالبہ تو کرتے ہی تھے یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ ہم اپنے ربا/سود میں شامل اموال کو باطل کردیں اور اپنے مندر/ دیوی استھان (الربۃ) کو ڈھادیں۔ اس مشورہ و حکمت عملی کے بعد وفد شہر کے قریب پہنچا تو ثقیف کے لوگ خیر مقدم کو نکل آئے۔ ارکانِ وفد نے ان کو دیکھا تو اپنی گردنیں جھکالیں۔ اونٹوں کو قریب قریب کرلیا اور ایسے کپڑے اوڑھ لئے جیسے قوم پر کوئی آفت وملال ٹوٹ پڑا ہو اور وہ کوئی اچھی خبر نہ لائے ہوں۔ ثقیف نے اپنے سرداروں کا حال دیکھا تو خود غم زدہ ہوگئے اور حزن وکرب کا شکار بن گئے۔ لوگوں نے کہا کہ تمہارا وفد اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔

اپنے قومی طریقہ وروایت کے مطابق وفدِ ثقیف صنمکدۂ لات میں داخل ہوا جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتے رہے تھے۔ لیکن وہ مسلمان بن چکے تھے لہٰذا وہ باہر ہی دیکھتے رہے اور مراسم نہیں بجا لائے۔ ثقیف کو احساس ہوا کہ ان کو تو دیوی سے اور اس کی رویت سے کوئی واسطہ نہیں پھر تمام ارکانِ وفد اپنے اپنے اہل و عیال کے پاس چلے گئے۔ بہ ہر حال ثقیف کے لوگ ان سے ملے اور ان سے واپسی کا منظر نامہ پوچھا۔ وفدِ ثقیف نے رسولِ اکرم ﷺ سے ذاتِ رسالت مآب کے بارے میں کچھ باتیں بنانے کی اجازت لے لی تھی لہٰذا انھوں نے جواب میں رسولِ اکرم ﷺ کی سختی، بے لچک رویہ اور سخت مطالبہ کا ذکر کرکے کہا کہ وہ تلوار کے زور پر تمام عرب کو اپنا تابع بنا چکے ہیں اور تمام لوگ حتی کہ بنوالاصفر (رومی حکمراں) بھی اپنے قلعوں میں مرعوب بیٹھے ہیں۔ اب لوگ صرف دو طرح کے ہیں: ایک جوان کا دین اختیار کرچکے ہیں اور دوسرے تلوار سے خوفزدہ ہیں۔ انھوں نے ہم سے چند امور کا مطالبہ کیا جن کو ہم نے سخت ناپسند کرکے ٹھکرا دیا اور تحریم زنا وشراب وربوا اور انہدامِ لات کا ذکر کیا۔ ثقیف نے فوراً اپنے ردِعمل کا اظہار کیا کہ ہم یہ کبھی نہیں تسلیم کریں گے۔ وفد نے بھی ان کے ردعمل کی تصدیق کی اور کہا کہ ہم بھی ان کو ناپسند کرچکے ہیں۔ انھوں نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ لہٰذا اپنے ہتھیاروں کو ٹھیک کرلو، اپنے قلعہ کو مستحکم بنالو اور عرادات ومنجنیق کو نصب کردو، اور سال دوسال کا سامانِ رسد اپنے قلعہ میں جمع کرلو کیوں کہ وہ دوسال سے زیادہ محاصرہ جاری نہیں رکھ سکیں گے اور قلعہ کے اردگرد ایک خندق کھودلو۔ یہ سارے کام جلد از جلد کرلو کیوں کہ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ کسی وقت بھی اقدام کرسکتے ہیں۔

ثقیف نے ایک یا دو دنوں تک تو جنگ وحرب کی تیاری کی لیکن پھر ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے

رعب ڈال دیا اور خود کہنے لگے کہ ان کا مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں اور سارا عرب تو ان کے سامنے سرنگوں ہوگیا ہے۔ لہٰذا وہ ارکانِ وفد کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ وہ واپس جائیں اور رسولِ اکرم ﷺ سے صلح کر کے معاہدہ لکھوالیں۔ وفد نے جب یہ دیکھا کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرعوب ہوگئے ہیں اور اسلام قبول کرنے کی طرف رغبت بھی رکھتے ہیں اور خوف پر امن کو ترجیح دیتے ہیں تو وفد نے ان کو سب کچھ بتا دیا کہ ہم نے آپ ﷺ سے معاہدہ کرلیا ہے اور آپ نے ہماری تمام باتیں مان لی ہیں اور ہماری شرائط بھی قبول کرلی ہیں اور آپ ﷺ تو تمام لوگوں میں سب سے زیادہ متقی، سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے، سب سے زیادہ عہد کے پابند، سب سے زیادہ سچے اور سب سے زیادہ کرم و رحم والے ہیں۔ انھوں نے صنم کدہ کو ڈھانے کی ذمہ داری ہم پر نہیں ڈالی اور وہ اپنے اصحاب کو بھیجیں گے جو اسے ڈھائیں گے۔ ایک شیخِ ثقیف کے خیال و عقیدہ سے تمام ثقیف فکری طور سے متفق تھے کہ یہی ہمارے اور ان کے درمیان خطِ فاصل ہے، اگر وہ اس کو ڈھانے پر قادر ہوجاتے ہیں تو وہ حق پر ہیں اور ہم باطل پر۔ حضرت عثمان بن العاص ثقفیؓ نے ان کو معبودانِ باطل اور ان کے صنمکدوں کے انہدام کے بارے میں بتایا کہ عزیٰ، اساف، نائلہ، ہبل، مناۃ اور سواع وغیرہ نے کیا کرلیا۔ ایک شخص آیا اور اس نے ایک ایک کر کے ان کو ڈھادیا۔ بہ ہر حال وہ اپنے رب/ ربہ سے معجزہ کی امید رکھتے تھے۔ لیکن جب حضرات مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ اور ابوسفیان بن حرب امویؓ نے اس کو ڈھادیا تو ان کو اپنے دیوی/ دیوتا کی لاچاری اور اللہ رب العزت کی قہاری کا یقین آگیا۔ عورتوں، بچوں اور مردوں کو قومی بت کے انہدام پر روتے اور بین کرتے دیکھ کر حضرت مغیرہ ثقفیؓ اور دوسرے مسلمانانِ ثقیف نے ان کو سمجھایا اور بالآخر اسلام ثقیف کے دلوں میں اتر ہی گیا اور شرک اکھڑ گیا۔ (۱۹۹)

صنم کدہ ثقیف کا انہدام

ثقیف کے وفد سے جب صلح کا معاہدہ مکمل ہوگیا تو انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ان کی دیوی کا استھان تین سال تک منہدم نہ کیا جائے لیکن آپ ﷺ نے انکار کردیا، انھوں نے پھر ایک سال کی مہلت مانگی وہ بھی نہ ملی تو ایک ماہ کے لئے اسے بچانا چاہا۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کے انہدام کا وقت مقرر کرنے سے صاف انکار فرمادیا۔ اصلاً شیوخِ ثقیف اپنے صنم کدہ کو اپنے بیوقوف لوگوں اور عورتوں اور بچوں کے خوف سے بچانا چاہتے تھے کہ ان کی اپنی قوم خوفزدہ نہ ہوجائے لہٰذا جب چارہ کار نہ دیکھا تو یہ درخواست کی کہ کم از کم ان کو اس کی شکست و ریخت سے معاف کردیں اور وہ آپ ﷺ نے

مان لی پھر فرمایا کہ میں ابوسفیانؓ بن حرب اور مغیرہؓ بن شعبہ کو اس کے انہدام کے لئے بھیج رہا ہوں اور اپنے اصحاب کو حکم دیتا ہوں کہ اس کے تمام بتوں کو توڑ ڈالیں۔

صنمکدۂ ثقیف کی شکست و ریخت کا واقعہ بڑا عبرت ناک ہے اور سیاسی وسماجی اور دینی لحاظ سے بہت اہم بھی۔ حضرت ابوسفیان بن حرب اموی اور مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ دو تین دن بعد اپنے کام کے لئے نکلے اور ان کے ساتھ حضرات ابوملیح بن عروہ ثقفیؓ اور حضرت قارب بن اسود ثقفیؓ بھی تھے۔ بہ ہر حال جب وہ بتکدہ کے قریب پہنچے تو حضرت مغیرہؓ نے حضرت ابوسفیانؓ سے کہا کہ آپ آگے بڑھیں اور حکم نبوی کی تعمیل کریں۔ لیکن حضرت ابوسفیانؓ نے حضرت مغیرہ ثقفی کو آگے بڑھ کر انہدامی کاروائی کرنے کو کہا کہ وہ ان کی قوم ثقیف کا معاملہ تھا۔ حضرت ابوسفیانؓ تو اپنے مال ذی الھرم میں ٹھہر گئے اور حضرت مغیرہ ثقفیؓ دس گیارہ اشخاص کے ساتھ آگے بڑھے اور بتکدہ ڈھا دیا۔ یہ انہدامی کاروائی صبح کو تمام لوگوں کے سامنے ہوئی، عورتیں، بچے اور غلام وآزاد، سب بین کر رہے تھے لیکن حضرت مغیرہ ثقفیؓ کی کدال نے دیوی کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ ثقیف نے قومی بت کی تباہی پر بڑا واویلا کیا مگر حضرت مغیرہ ثقفیؓ نے ان سے کہا: ''ثقیف کے لوگو! عرب کے لوگ کہتے تھے کہ عربوں میں ثقیف سے زیادہ عقلمند کوئی دوسرا قبیلہ نہیں لیکن اب تو لگتا ہے کہ تم سے زیادہ کوئی احمق نہیں۔ لات وعزیٰ کی کیا اوقات ہے اور دیوی کیا ہے؟ وہ اس پتھر کی طرح دوسرے پتھر ہیں۔ وہ کیا جانیں کس نے ان کی پوجا کی اور کس نے نہیں کی۔ کیا وہ سنتے، دیکھتے یا نفع ونقصان پہنچاتے ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی رب ہے''۔ ثقیف نے ڈرایا کہ جب بنیاد تک پہنچو گے تو دھنس جاؤ گے۔ حضرت مغیرہؓ نے بنیاد بھی کھود ڈالی اور پھر اس کے غبغب (تہہ خانہ) میں خزانہ، زیورات اور سونا چاندی پایا۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرات ابوملیح وقارب رضی اللہ عنہما کے والدین پر واجب قرض اس سے ادا کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی مال دیا اور اس سے اسلامی لشکر کے لئے اسلحہ بھی بنوائے۔ اس قومی بتکدۂ ثقیف کے انہدام کے لئے ان دونوں حضرات کا انتخاب بڑا حکیمانہ تھا۔ (۲۰۰)

بنو ثقیف اور حضرات ابوسفیان امویؓ اور مغیرہ ثقفیؓ

ثقیف سے حضرت ابوسفیان بن حرب امویؓ کے گوناگوں تعلقات تھے جن میں سماجی، ازدواجی اور اقتصادی سب شامل تھے۔ ان کے دادا پردادا کے زمانے سے خاندانِ عبدشمس/ امیہ کی بہت سی لڑکیاں ثقیف کے شیوخ وسادات سے منسوب چلی آرہی تھیں اور خود حضرت ابوسفیان بن حرب امویؓ کی بعض دختریں ثقفی اکابر سے منسوب تھیں جن کا ذکر ازدواجی تعلقات میں آچکا ہے۔ خاندانِ عبشمی واموی کے

ثقیف وہوازن سے بالخصوص اول الذکر سے حلف کے بہت قدیم اور گہرے تعلقات بھی قائم واستوار تھے۔ ان کے علاوہ دونوں خاندانوں کے درمیان تجارتی واقتصادی روابط بھی تھے۔ ان سب نے ان کو تمدنی وقومی اعتبار سے ایک دوسرے سے باندھ دیا تھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ خود ہی ثقیف کے ایک باا ثر خاندان کے فرد تھے: وہ احلاف کے خاندان بنومعتب بن وہب کے ایک سردار اور بااثر شیخ تھے۔ ان کا خاندان بنومعتب اسلام کی طرف غالباً سب سے پہلے جھکا تھا کہ ان کے کئی شیوخ اسلامی داعی اور جان نثار رہے تھے اور اسی کے ساتھ وہ بعض اکابر وسادات ثقیف کے عزیز وقریب تھے۔ ان میں حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ شامل تھے جو ان کے چچا تھے۔ ان رشتوں کی بنا پر حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ کو خود بھی ریاست وسیادت کا شرف حاصل ہو گیا تھا اگرچہ وہ ابھی جوان تھے۔ ان کی غالباً سب سے بڑی صفت ان کے عزیز وقریب اموی حضرت ابوسفیانؓ کی طرح حلم وکرم اور تدبر وفراست اور حکمت وسیاست تھی۔ وہ بعد کے زمانے میں ہی نہیں شروع سے اپنے تدبر وحکمت اور داھیۃ العرب ہونے کا ثبوت دیتے آئے تھے۔ حضرت معاویہؓ سے ان کی قربت کی وجہ ان کی خاندانی قرابت تھی۔

رسولِ اکرم ﷺ نے ان تمام صفات واوصاف اور ثقیف سے ان دونوں کے قریبی رشتوں کی بنا پر ان کو اسلامی سیاست وتدبیر کے روبکار لانے کے لئے منتخب فرمایا۔ مردم شناس اور موقعہ ومحل کے لحاظ سے افراد وعمال کا انتخاب فراست نبوی کا ایک بیمثال باب ہے جس میں آپ ﷺ کا کوئی ثانی اور مثیل نہیں ہے۔ آپ ﷺ جس فرد کا انتخاب جس کام کے لئے فرماتے تھے وہی بہترین ہوتا تھا۔ ثقیف وہوازن کے مسائل ومعاملات طے کرنے اور ان کے افراد وطبقات سے رشتے استوار کرنے اور دیار ثقیف وہوازن میں اسلامی حربی وسیاسی تدابیر کو بروئے کار لانے کے لئے رسولِ اکرم ﷺ نے ان ہی دونوں حکمائے عرب کا انتخاب کیا تھا۔

غزوۂ طائف کے دوران قلعہ ثقیف کی ناکہ بندی کی گئی لیکن وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے اور جنگ وخودسپردگی دونوں سے محفوظ ہو گئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کے قلعہ سے حاصل کردہ ایک منجنیق ودبابہ کا استعمال کرنا چاہا مگر مسلم سپاہ کے دبابہ کا استعمال نہ جاننے کے سبب اور ثقیف کی شعلہ انگیز تیراندازی نے اسے جلا کر خاک کر دیا اور مجاہدین اسلام کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے محصورین ثقیف پر دباؤ ڈالنے کے لئے حکم دیا کہ ہر مسلمان سپاہی پانچ انگوروں کے درخت کاٹ ڈالے۔ مسلمانوں نے اس پر عمل کرنا شروع کیا ہی تھا تو سفیان بن عبداللہ ثقفی نے رسولِ اکرم ﷺ سے فریاد کی کہ ہمارے اموال

کیوں کاٹ رہے ہیں؟ اگر آپ ﷺ ہم پر غالب آگئے تو ان کے مالک بنیں گے اور آپ کی رحمت غالب آگئی تو اللہ کے لئے اور رشتہ داری کی خاطر ان کو چھوڑ دیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا اور قطعِ اموال کا حکم واپس لے لیا۔ اس واقعہ کی ایک دوسری روایت بھی ہے۔

حضرات ابوسفیان بن حرب امویؓ اور مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ نے ثقیف سے بات چیت کے لئے ان سے امان مانگی۔ ان دونوں کو امان مل گئی تو انھوں نے قریشی خواتین کو نکل آنے کے لئے کہا کیوں کہ ان کو غلام بنا لئے جانے کا خوف دامن گیر تھا۔ ان خواتینِ قریش میں شامل تھیں: ابوسفیانؓ بن حرب کی ایک دختر جو عروہ بن مسعود کی بیوی تھی اور ان کے ایک فرزند داؤد بن عروہ تھے۔ فراسیہؓ بنت سوید بن عمرو بن ثعلبہ جو قاربؓ بن اسود کے حبالہ نکاح میں تھیں اور جن سے ان کے فرزند عبدالرحمٰن بن قارب تھے اور ایک دوسری عورت بھی تھی۔ لیکن ان عورتوں نے جب ان کی درخواست مسترد کر دی تو ان دونوں سے فرزندانِ اسود بن مسعود نے کہا: اے ابوسفیان واے مغیرہ! کیا ہم تم کو اس سے بہتر بات نہ بتائیں۔ بنو الاسود کا مال (جائداد/ باغ) تم کو معلوم ہے کہ کہاں ہے۔ طائف میں اس سے بہتر مال نہیں ہے اور اس کی انھوں نے بہت تعریف کی پھر کہا اگر محمد ﷺ نے اس کو کاٹ ڈالا تو وہ کبھی آباد وشاداب نہ ہو سکے گا لہٰذا تم دونوں ان سے بات کرو: یا تو آپ ﷺ اس کو اپنے لئے لے لیں یا خدا کے واسطے اور رشتہ داری کی خاطر چھوڑ دیں کیوں کہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک قرابت ہے جو غیر معروف نہیں ہے: لیاخذہ لنفسہ او لیدعہ للہ وللرحم فان بیننا وبینہ قرابۃ مالا یجھل۔ ان دونوں نے آپ ﷺ سے بات کی اور اس وقت آپ ﷺ عمق نامی وادی میں خیمہ زن تھے اور جہاں وہ شان دار مال/ جائداد تھی۔ آپ نے ان کی سفارش مان لی اور اسے چھوڑ دیا۔ اس روایت میں رسولِ اکرم ﷺ سے ثقیف کی قرابت کا ذکر بہت اہم ہے۔ (۲۰۱)

ثقفی صحابہ کرامؓ

ارکانِ وفد کے اسماء گرامی کے حوالے سے متعدد ثقفی صحابہ کرامؓ کا ذکر آچکا ہے جو مدینہ میں اسلام لائے۔ ابن سعد نے طائف کے باسی صحابہ کرامؓ کا ایک مختصر ذکر کیا ہے اور ان میں سے متعدد کا ذکر آچکا ہے جب کہ ان کی تعداد مجموعی طور سے ۳۴ ہے۔ ان میں چند حضرات صحابہؓ کا تفصیل سے بھی ذکر آیا ہے جیسے حضرات عروہ بن مسعود ثقفیؓ، ان کے فرزند حضرت ابوملیحؓ اور ان کے بھتیجے حضرت قاربؓ۔ ان میں سے بعض صحابہ کرامؓ کا ذکر مزید ضروری ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان کا پس منظر، مقام ومرتبہ اور کردار وعطیہ کیا

رہا تھا کیوں کہ ہمارے جدید روایتی سیرت نگاروں نے ان جہات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ان میں شاید سب سے اہم ثقفی شیخ اور صحابی حضرت عبد یالیلؓ بن عمرو بن عمیر بن عوف بن عقدہ بن غیرہ بن عوف ثقفی تھے۔ وہ حضرت عروہؓ بن مسعود ثقفی کے ہم سن (سن عروۃ بن مسعود) اور وفد ثقیف کے رئیس اور سردار اور ان کے اصل ترجمان تھے۔ لیکن اس سے زیادہ اہم یہ واقعہ ہے کہ یہی حضرت عبد یالیلؓ بن عمرو ثقفی تھے جنھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے سفرِ طائف (۶۲۰ء) کے دوران اسلام کا پیغام مسترد کر دیا تھا اور اپنے دونوں بھائیوں۔ مسعود بن عمرو اور حبیب بن عمرو۔ کے ساتھ استہزاء بھی کیا تھا۔ ان ہی تینوں سردارانِ ثقیف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا کہ آپ ﷺ کی ہنسی اڑائیں، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دورویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپ ادھر سے گذرے تو آپ ﷺ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں''۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حسنِ سلوک پر عذاب کی بجائے دعا مانگی تھی کہ الٰہی، میری قوم کو ہدایت دے، وہ جانتی نہیں: اللھم اھد قومی، انھم لا یعلمون۔ یہی حضرت عبد یالیل ثقفیؓ اور ان کے عزیز وقریب اور ان کے فرزند حضرت کنانہ وغیرہ اسلام لائے اور اسلام کے عظیم داعی ومبلغ بنے۔ (۲۰۲)

حضرت ابو محجنؓ بن حبیب بن عمرو بن عمیر بن عوف بن عقدہ بن غیرہ بن عوف ثقفی حضرت عبد یالیل بن عمرو ثقفی کے رشتہ میں بھتیجے لگتے تھے۔ وہ ثقیف کے قومی شاعر تھے اور نامی گرامی شہسوار (فارس)۔ ان کے نام پر اختلاف ہے کہ عمرو تھا، مالک تھا یا عبداللہ تھا۔ وہ انتہائی کریم وسخی اور جواد وفیاض بھی تھے۔ ان کو جنگ قادسیہ میں بے مثال شجاعت وجنگجوئی کے لئے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا ایک مشہور شعر ہے:

اذا مِت فادفِنی الی جنب کرمۃ
تُروی عظامی عندذاك عروقھا

اور ان کو سچ مچ ایک باغ انگور میں دفن کیا گیا تھا۔ (۲۰۳)

حضرت عثمان بن ابی العاص بن بشر بن عبد دہمان بن عبداللہ بن ہمام بن ابان بن یسار بن مالک بن حطیط بن جشم ثقفی۔ ان کی والدہ صفیہ بنت امیہ بن عبد شمس تھیں یعنی ان کے والد ابو العاص بن بشر بن عبد دہمان کی زوجہ تھیں۔ قریش سے ان کی نسبت مادری تھی۔ حضرت عثمان ثقفیؓ کو بالعموم ارکانِ وفد میں سب سے کم عمر اور نوجوان بتایا جاتا ہے اور ان کے بارے میں اس سے زیادہ حیرت ناک بات کہی جاتی ہے کہ معمر و بزرگ ارکانِ وفد ان کو خیمہ میں چھوڑ جاتے تھے جب رسولِ اکرم ﷺ سے معاہدہ کی بات

چیت کرنے جاتے تھے اور وہ خیمہ کی رکھوالی کرتے تھے۔ روایات کا یہ حصہ بہت زیادہ قابلِ اعتبار نہیں لگتا کیوں کہ وفدِ ثقیف کے ارکان میں ان کا انتخاب بنو مالک کے ایک نمائندہ وشیخ کے بہ طور ہوا تھا۔ دوسرے ان کے ازدواجی تعلقات اور خاص کر ان کے دونوں فرزندوں ۔محمد عثمان ثقفیؓ اور عثمان بن عثمان ثقفیؓ۔ کے صحابی ہونے سے بھی یقین ہوتا ہے کہ وہ اس وقت کافی معمر تھے۔ ان کی دینی حرص اور کتاب وسنت سے شغف اور رسولِ اکرم ﷺ سے تعلیم وتربیت پانے کی باتیں بہ ہر حال قابلِ اعتبار واعتماد ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارکانِ وفد کی درخواست پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی کا تقرر بہ طور رئیس وشیخِ ثقیف کیا تھا۔ اس تقرری میں ان کی دینی صلابت اور کتاب وسنت کی مہارت وفقہ کا بھی دخل ضرور تھا مگر انتظامی عہدے کے لئے وہ رسولِ اکرم ﷺ کا واحد معیار نہیں تھا۔ آپ اسی کے ساتھ ساتھ انتظامی صلاحیت، قائدانہ لیاقت اور دوسرے ضروری اوصاف بھی دیکھا کرتے تھے جن پر بحث کی جا چکی ہے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ عہدِ نبوی کی بقیہ مدت کے بعد خلافتِ صدیقی اور خلافتِ فاروقی میں طائف کے والی رہے اور شان دار کارنامے انجام دیے۔ ردہ جنگوں میں ان کے اقدامات اور دوسرے ثقفی صحابہ کرام کی صلابت وعزیمت کی وجہ سے وہاں کسی قسم کی شورش پیدا نہیں ہوسکی۔ وہ خلافتِ فاروقی میں بحرین کے گورنر اس وقت بنائے گئے جب انھوں نے اپنی جگہ اپنے بھائی حضرت حکمؓ بن ابی العاص کو طائف کا والی بنایا تھا۔ بحرین کی ولایت سے معزولی کے بعد وہ بصرہ میں آل واولاد کے ساتھ بس گئے تھے جہاں وہ سالانہ غزوات کے امیر وقائد رہتے تھے۔ ۵۰ھ/۶۷۰ء میں وفات پائی۔ (۲۰۴)

متعدد دوسرے ثقفی صحابہ کرام کا نام بنام مگر مختصر تذکرہ ملتا ہے۔ ان کا ذکر کرنا کسی خاص فائدہ کا سبب نہیں لگتا۔ البتہ شاعر امیہ بن ابی الصلت ثقفی کی دختر حضرت فارعہؓ کا ذکر کرنا ضروری لگتا ہے کہ وہ بہ قول ابن عبدالبر فتح طائف کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں۔ وہ بہت حسین وجمیل ہونے کے ساتھ انتہائی ذہین وفطین اور پاکباز تھیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے اشعار کے علاوہ ان کے حالات بھی سنے اور تبصرے بھی کئے تھے۔ (۲۰۵) امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے ایک معاصر ثقفی صحابی حضرت اسماعیلؓ بن سعید تھے۔ (۲۰۶)

آخر میں البتہ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ثقیف وہوازن کے صحابہ وصحابیات کی تعداد ایک سیکڑے سے زیادہ کتابوں میں نہیں ملتی جب کہ یہ حقیقت ہے کہ ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔ جنگ حنین میں ان کے فوجیوں کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے اور ان میں عورتیں اور بچے شامل تھے۔ ان تمام حقائق کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثقیف کے ہزاروں صحابہ تھے جنھوں نے عہدِ نبوی کے اواخر تک

اسلام قبول کر کے مسلم معاشرہ یا اسلامی امت کی قوت ۔ ہر طرح کی قوت ۔ میں اضافہ کیا تھا اور اسلامی ریاست کی توسیع و استحکام میں اور اس کے بعد اسلامی عالمی فتوحات میں اپنا عظیم الشان حصہ ادا کیا تھا۔

ثقفی عُمالِ نبوی

ایک حکیمانہ سنت نبوی یہ بھی تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ افراد و اشخاص کی انتظامی لیاقت، اسلامی ریاست کی مصالح اور احوال و حالات زمانہ کی رعایت سے اپنے عامل وافسر مقرر فرماتے تھے۔ اس پر ایک جامع بحث تنظیم ریاست وحکومت میں کی جا چکی ہے۔ ان حکام وافسرانِ ریاست اسلامی میں مختلف قبیلوں کے افراد شامل تھے اور ان میں بہ ہر حال قریش کے اکابر کا فطری طور سے غلبہ تھا۔ ان کے ساتھ قریش کے مختلف خاندانوں کے حلیفوں کو بھی آپ ﷺ نے ریاستی اور سرکاری مناصب پر فائز کیا تھا جو دوسرے قبیلوں کے لوگ تھے۔ دوسرے قبائلِ عرب کے علاوہ ثقیف و ہوازن کے امراء و حکام کی ایک تعداد بھی نبوی انتظامیہ میں رہی لیکن ان کی تقرری بالعموم متاخر مدنی دور کی ہے۔

ثقفی حکامِ ریاست میں غالباً سرفہرست حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ تھے کہ وہ اولین زمانے میں اسلام لے آئے تھے۔ ان کو فوجی، دینی اور دوسرے شعبوں میں کام کرنے کا موقعہ دیا گیا تھا اور ان کی خدمات سے خاص کر ان کی سیاسی مہارت سے فائدہ اٹھایا گیا تھا۔ ان کی ایک اہم اور مصلحت آمیز تقرری غزوۂ طائف کے دوران بہ طور وکیل نبوی کے رہی تھی جب وہ حضرت ابوسفیانؓ بن حرب اموی کے ساتھ صلح کی گفت گو کے لئے منتخب کئے گئے تھے اور اس کے بعد وہ انھیں اموی رفیق کے ساتھ اپنے قومی صنم کدہ کے انہدام کے سریہ کے افسر بنائے گئے تھے۔

حضرت ہبیرہ بن شبل ثقفیؓ کو فتحِ مکہ کے بعد شہر وحرمِ مکہ کا اولین گورنر مقرر کیا تھا اور وہ غزوۂ طائف سے واپسی تک اس عہدے پر رہے تھے۔ (۲۰۷)

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ کو طائف کا گورنر/ والی مقرر کیا گیا تھا جب ثقیف نے اجتماعی طور سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص ثقفیؓ کو بھی اسی زمانے میں ایک اہم ذمہ داری دی گئی تھی اور بعد میں وہ باقاعدہ گورنرِ طائف بنے تھے۔

عمالِ صدقات اور بعض طبقاتِ ثقیف کی ولایت پر تقرری مختلف اصحاب کی کی گئی تھی:

حضرت سالف بن عثمان ثقفیؓ وفدِ ثقیف کے رکن تھے، اسلام لانے کے بعد ان کو ثقیف کے احلاف کا والی مقرر کیا گیا تھ۔ (۲۰۸)

حضرت مالک بن عوف نصریؓ غزوہ حنین وطائف میں اپنی قوم کے سالارِ اعظم تھے اور ہوازن و ثقیف کے سب سے بڑے شخص بھی۔ اسلام لانے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو ہوازن کے دونوں بڑے طبقات۔ نصر وثقیف۔ کا یا سب سے بڑا عاملِ صدقات مقرر کردیا تھا، بعض روایات میں آتا ہے کہ ان کو بزرگ تر قبیلہ قیس عیلان کا والی صدقات بنایا گیا تھا۔ (۲۰۹)

حضرت عبداللہ بن ربیعہ ثقفیؓ کو نوافل/نفل نمازوں کا امام مقرر کیا تھا جو صحابہ کی امامت کرتے تھے لیکن رمضان میں دوسرے امام تھے۔ (۲۱۰)

حضرت عثمان بن ربیعہ ثقفیؓ کو امیر طائف وثقیف نے ازدقبیلہ کے ردہ/ باغیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے امیر لشکر مقرر کیا اور یہ تقرری رسولِ اکرم ﷺ کی حیات بابرکات میں وفات سے کچھ عرصہ قبل ہوئی تھی جیسا کہ سیف بن عمر تمیمی نے ردہ کے باب میں کہا ہے۔ (۲۱۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی العاص ثقفیؓ تو امیرِ طائف کے تیسرے بھائی تھے اور ان کو بھی اسی قسم کی ذمہ داری ردہ زمانے میں دی گئی تھی۔ خلافتِ صدیقی کے دوران تو انھوں نے باقاعدہ ایک امیرِ لشکر کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں۔

حضرت معاویہ ثقفیؓ بنو عقیل کے خاندان کے شیخ تھے اور ان کو قوم کا سردار قائم رکھا گیا تھا۔ حیاتِ نبوی میں وہ اسود عنسی کے خلاف ردہ جنگوں میں شریک رہے اور حضرت فیروز دیلمیؓ کے ایک افسرِ لشکر تھے۔ خلافت صدیقی میں بھی کارنامے بہ طور سالار انجام دئے۔ احلاف سے ان کا تعلق تھا۔ (۲۱۲)

حضرت یعلیٰ بن مرہ ثقفیؓ: غزوہ طائف میں ایک افسر و سالار لشکر تھے۔ انھوں نے ہی المزارم نامی باغ کو کاٹنے کا حکم نبوی نافذ کیا تھا۔ (۲۱۳)

حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ تو رسولِ اکرم ﷺ کی طرف سے اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلانے کے لئے مبلغ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ (۲۱۴)

حضرت معتب بن مالک ثقفیؓ کو بھی رسولِ اکرم ﷺ نے مبلغ وداعی بنا کر بھیجا تھا اور ثقیف نے ان کو بھی قتل کردیا تھا۔ (۲۱۵)

حیاتِ نبوی کے اواخر میں ثقیفِ طائف

ثقیف وہوازن کا اجتماعی قبولِ اسلام رمضان ۹ھ/ جنوری ۶۳۱ء کے دوران یا اس کے مابعد کے زمانہ سے متعلق ہے۔ اس وقت تک رسولِ اکرم ﷺ غزوہ تبوک سے بھی واپس آچکے تھے اور اس عظیم

الشان غزوہ نے سارے عرب پر اسلام کی دھاک بٹھادی تھی۔ ثقیف کے عظیم سیاستداں و مدبر اور حکیم اور متعدد دوسرے اکابر و سادات نے ''بنوالاصفر'' کے حوالے سے قیصرِ روم کی مرعوبیت کا ذکر کیا تھا۔ ان کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف سارا جزیرہ نمائے عرب اسلامی ریاست مدینہ کے سامنے سرنگوں ہو چکا تھا بل کہ قیصرِ روم بھی اسلام و رسولِ اکرم ﷺ سے مرعوب و دہشت زدہ اپنے قلعوں میں بیٹھے ہیں اور مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ ان حالات میں سوائے اسلام قبول کرنے اور رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی و دینی بالادستی تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ اس ثقفی تجزیے سے ثقیف و ہوازن کے قبولِ اسلام کا محرک محض حالات سے سمجھوتا کرنے کے جیسا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن روایات یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ ان کے سرِ تسلیم خم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ سچے دل سے اسلام لے آئے۔

رمضان ۹ھ/ جنوری ۶۳۱ء سے وفاتِ نبوی ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ/ ۲۰ اپریل ۶۳۲ء تک کا عرصہ کل سوا سال کا ہے۔ ثقیف و ہوازن کو اجتماعی طور سے نبوی غزوات میں شرکت کا قطعی موقعہ نہیں مل سکا کہ وہ غزوۂ تبوک تک مخالفتِ حق پر ڈٹے ہوئے تھے۔ سرایا میں بھی ان کا حصہ صفر ہی رہا کہ ان کے اپنے بت کدہ کی تخریب کا فریضہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ اور حضرت ابوسفیان بن حرب امویؓ نے انجام دیا تھا اور وہ دونوں ثقیف کے اجتماع کے افراد نہ تھے، حضرت مغیرہ ثقفی ہونے کے باوجود مدنی ریاست کے امیر تھے اور طائف وثقیف کے مجاہد نہ تھے جس طرح دوسرے ثقفی حضرات نے مکی دور تک اسلام کی خدمات انجام دی تھیں اور غزوات میں شریک رہے تھے۔ وہ افرادِ قوم تھے اور ان کا تعلق مکہ کے قریش کے حلیفوں کی مانند تھا یا وہ آسمانِ طائف وثقیف کے ٹوٹے ہوئے ستارے تھے جو اسلامی مطلع پر طلوع ہو گئے تھے۔ عہدِ نبوی کے بقیہ پندرہ سولہ مہینوں میں ثقیف و ہوازن کو اجتماعی طور سے اور بہ طور قبیلہ و جماعت اسلامی خدمات کا موقع نہیں مل سکا۔ البتہ اس آخری عرصۂ حیات نبوی میں ان کے دو اسلامی کارنامے اور اسلامی زندگی میں اجتماعی شرکت کے نمونے قابلِ ذکر ہیں۔

امارتِ صدیقی میں شرکتِ حج

ذوالحجہ ۹ھ/ مارچ۔ اپریل ۶۳۱ء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امارت میں اسلامی ریاست نے حج کی ادائیگی کا انتظام کیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدنی مسلمانوں کی ایک قابلِ ذکر جماعت حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ فرمائی۔ ان کے ساتھ ساتھ مکہ اور قریش کے تمام مسلمانوں نے بھی

حج ادا کیا اور روایات کے مطابق اس حج میں بہت سے مشرکینِ عرب بھی شریک تھے۔ ان مشرک حجاج میں دراصل عرب قبائل کے لوگ جو مختلف گوشوں اور کونوں سے آئے تھے شامل تھے۔ جیسا کہ روایات بتاتی ہیں۔ اسی سال کے حج میں ثقیف وہوازن کے لوگ بھی شامل تھے ان کی تعداد وشرکت کی وضاحت نہیں ملتی مگر یہ ضرور ثابت ہے کہ وہ سب کے سب مسلمان تھے اور خلوصِ دل سے اسلامی طریق کے مطابق حج ادا کرنے آئے تھے۔ اس کے بعض قرائن بھی ہیں جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ وہ قریشِ مکہ کے حلیف اور دوست وقریب تھے اور نئے نئے مسلمان بھی لہٰذا حج صدیقی میں ان کی شرکت خارج از امکان نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس امکان اور واقعاتی شواہد وحقائق کی بنا پر ایک اصول مرتب کیا ہے جس کا ذکر بہت اہم ہے۔ حضرت حافظ کا خیال اور اصول ہے کہ قریش کے بعد ثقیف نے اجتماعی طور سے جب اسلام قبول کرلیا تو ان دونوں میں کوئی بھی غیر مسلم نہیں رہ گیا تھا۔ اس کا ذکر وہ صحابہ ثقیف وقریش کے سوانحی تذکروں میں بار بار کرتے ہیں اور ایک دو مقامات پر حافظ ابن عبدالبر کا حوالہ دیتے ہیں: انه لم یبق من قریش و ثقیف احد بعد حجة الوداع الا اسلم (۲۱۶)

حجۃ الوداع میں ثقیف کی شرکت

عہدِ نبوی کے آخری عظیم الشان اسلامی اور اجتماعی واقعہ۔ حجۃ الوداع۔ میں جزیرہ نمائے عرب کے تمام مسلمانوں کی اور تمام نہ سہی تو ان کی ایک عظیم الشان اکثریت کی شرکت تھی۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کی خاص امارت میں انجام دیا جارہا تھا۔ اس سے قبل فتح مکہ کے بعد گورنرِ مکہ حضرت عتاب بن اسید امویؓ کی امارت میں سنہ ۸ھ/ ۶۳۰ء کا حج رہا ہو یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امارت میں سنہ ۹ھ/ ۶۳۱ء کا حج رہا ہو مقامی رنگ رکھتا تھا اور تمام تقدس وجلالت کے باوجود وہ ایک عام حج تھا۔ حجۃ الوداع رسولِ اکرم ﷺ کی ذات گرامی کی امارت کی بنا پر حج اکبر بن گیا تھا اور آپ ﷺ نے اسے اپنے فرامین سے اسے حج اکبر بنایا بھی تھا۔ اسلامی ریاست کے صدر مقام مدینہ منورہ کے بیشتر اصحاب کے علاوہ مختلف قبائلِ عرب کو اس میں شرکت کی دعوت بل کہ حکم دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ شرکت فرمارہے تھے اور حج کے تمام مناسک اپنی ہدایات میں ادا فرمانے کا انتظام کر رہے تھے۔ تمام اسلامیانِ عرب کے لئے وہ ایک نادر ونایاب ساعت تھی۔ وہ رسولِ اکرم ﷺ کا دیدار کرکے صحابیت کے شرف سے مشرف ہوسکتے تھے۔ اس لئے تمام عرب کے مسلمان جو استطاعت وجذبہ رکھتے تھے حجۃ الوداع میں شرکت کے لئے پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور شریکِ سعادت ہوئے۔

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور متعدد دوسرے صاحبانِ فکر ونظر کا خیال ہے کہ اس میں تمام قریشِ مکہ کے ساتھ بہت سے ثقیف وہوازن کے افراد وطبقات اور جماعات شامل تھے۔ ایک طرح سے وہ اس حجۃ الوداع میں ان کی شرکت کو اجتماعی قرار دیتے ہیں۔ اسی کی بنا پر حافظ موصوف نے خصوصاً یہ اصول وضع کیا ہے کہ جس کسی قریشی یا ثقفی/ ہوازنی کی صحابیت کا معاملہ معرضِ بحث میں آتا ہے وہ حجۃ الوداع میں شرکت کے اسلامی پیمانے اور شرف دیدار وصحبت سے مشرف ہونے کے سعادتی میزان میں تول کر ان کو صحابی قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ حجۃ الوداع سے قبل ثقیف وہوازن اور قریش مکہ کا کوئی ایک شخص بھی غیر مسلم نہیں رہ گیا تھا۔ حضرت حافظ اسی اصول کی بنا پر ہر ثقفی شخص کی صحابیت کو بہ شرطِ صحتِ روایت تسلیم کرتے اور انفرادی خاکوں میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ ان ہی انفرادی روایات سے بہت سے ثقفی صحابہ اور صحابیات کے دیدار نبوی، حجۃ الوداع میں شرکت اور صحبت نبوی کی تائید بھی ہوتی ہے۔ (۲۱۷)

مدینہ منورہ میں ثقفی آبادی

یوں تو متعدد ثقفی صحابہ وصحابیات نے مکہ مکرمہ اور طائف دونوں مقامات سے خاص کر اور دوسرے حجازی ونجدی علاقوں سے عام طور سے مدینہ منورہ میں قیام کرلیا تھا اور خاص ہجرت کی سعادت کے مستحق بنے تھے جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ وغیرہ کے بارے میں ذکر آچکا ہے۔ فتحِ مکہ اور خاص ثقیف طائف کے اجتماعی اسلام کے بعد ہجرت کی ضرورت رہی تھی اور نہ اہمیت کہ اب سارا جہانِ اسلام ہی تھا۔ روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بہت سے ثقفی صحابہ وصحابیات نے مدینہ منورہ میں آخری عرصہ حیاتِ نبوی میں اسلام قبول کیا تھا اور اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ گئے تھے۔ ابن سعد نے ان صحابہ وصحابیات کا خاص ذکر کیا ہے جو طائف ہی میں ''نزول'' رکھتے تھے۔ تاہم اس امکان سے قطعی طور پر انکار کرنا مشکل ہے کہ بعض ثقفی صحابہ وصحابیات نے نبوی مرکز مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرلی ہو۔ ثقفی مدنی صحابہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ اور ان کے خاندان کے علاوہ متعدد مکی ثقفی صحابہ وصحابیات شامل تھے جو مدینہ منورہ میں آخر تک آباد رہے۔ ان کے علاوہ حضرت عروہؓ کے فرزند حضرت ابوملیحؓ اور ان کے بھتیجے حضرت قارب بن اسود ثقفیؓ کا ذکر ملتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ کے باسی اور نبوی صحابی بن گئے تھے۔ حضرت عامر بن غیلان بن سلمہ بن معتب ثقفیؓ ہجرت کرکے مدینہ آبسے تھے اور تا زندگی وہیں رہے، اگرچہ ان کے والد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ طائف میں ہی رہتے تھے۔ حیات نبوی کے آخری سوا سالہ عرصے میں ثقیف وہوازن کے متعدد افراد وطبقات کی مدینہ منورہ آمد اور آپ ﷺ سے ملاقات بھی ایک واقعہ

ہے۔ وفاتِ نبوی کے وقت ان میں سے بعض کی موجودگی سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی مدینہ منورہ میں ان کی اسلامی خدمات کو مسترد کیا جاسکتا ہے۔ حضرت غفقان ثقفیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مرض الوفات کے وقت حاضرِ خدمت تھے اور وفات حسرت آیات پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گریہ وزاری کے راوی تھے۔ (۲۱۸) بہرحال ان امکانات سے قطع نظر یہ واقعہ تاریخی بھی ہے اور ثابت ومستند بھی کہ عہدِ نبوی کے آخری لمحہ میں ثقیف وہوازن اسلامی معاشرے میں اسی طرح محترم ومکرم اور ثابت قدم اور صالح ومخلص طبقہ خاص تھے جیسے قریشِ مکہ یا انصارِ مدینہ یا دوسرے امصار ودیار کے عرب مسلمان۔ ان کے اخلاص وثابت قدمی اور اسلامی غیرت وحمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب وفات نبوی کے بعد ارتداد وبغاوت کی آگ پھیلی تو اس کو بجھانے اور اسلام وایمان کی حمایت کرنے میں ثقیف وہوازن نے مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا۔ یہی ثقفی صحابیت وعدالت کی علامت اسلامی تھی۔

حواشی

۱۔ مفصل بحث کے لئے کتاب خاکسار عہدِ نبوی میں تجارت کا باب اسواق عرب پر بحوالہ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر: ۲۶۳-۲۶۸: فتح الباری: ج۳،ص ۵۰۷ ومابعد: بلاذری: ج۱،ص ۳۶۶-معجم البلدان، مختلف بازاروں کے حوالے سے: اور دیگر کتب سیرت وسوانح: جواد علی، تاریخ العرب قبل اسلام: ج۸،ص۵۳ اومابعد: الفصل الثالث: التجارۃ البریۃ: اس میں قریش مکہ اور ثقیف طائف کے سامان تجارت کے علاوہ اسواقِ عرب اور قبائل وممالک سے ان کی تجارت کا ذکر سامان تجارت کے حوالے سے کیا گیا ہے: ۱۲۶-۲۲۲

۲۔ ثقیفِ طائف اور قریش مکہ کے سامان تجارت پر مذکورہ بالا کتاب کے مختلف ابواب نیز مذکورہ بالا کتب سیرت کے مباحث: مقالات اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ثقیف وطائف: معجم البلدان کے مختلف مقالات

۳۔ معجم البلدان، الطائف: اس بیان میں عرب افسانوی روایتوں کا گہرا اثر ہے اور بعض اختلافات وتضادات بھی ہیں۔ وج اصلا ایک وسیع وعریض وادی ہے جس میں شہر طائف بھی واقع ہے۔ خود یاقوت حموی نے وج کی تشریح میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اصل میں تسمیہ طائف کی گرہ کھولنے میں یہ کارگیری ملتی ہے۔

۴۔ یاقوت حموی، الطائف: محمد حمید اللہ، مقالہ طائف: اپنے دوسرے مقالہ ''ثقیف'' میں موصوف نے لکھا ہے کہ ''ثقفیوں میں اسلام سے پہلے ہی اچھی خاصی حضریت آگئی تھی۔ انھوں نے وادی وج میں نہ صرف لیۃ (ہمدانی: ۱۲۱) وحط (بکری: ۸۴۸) وغیرہ میں باغبانی اور تاکستانوں کو بڑی ترقی دی تھی بلکہ آب رسانی کی خاصی مہارت کا بھی مظاہرہ کیا تھا۔ مزید برآں اپنے دیار کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط فصیل بھی اپنے شہر کے اطراف میں کھڑی کرلی تھی۔ اغانی (۱۲: ۴۸ ببعد) کے مطابق یہ کسرائے ایران کے فرستادہ مہندس کا کارنامہ تھا۔ لیکن سہیلی (روض الانف: ۲۰۰۲)۔۔ البکری کے حوالے سے (قب ص ۴۴، ۵۰، ۴۵۱) بعض

یمنی (کندی) کاریگروں کی طرف منسوب کیا ہے

۵۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: ج ۲، ص ۲۲۴۔ ۲۲۶۔ کتاب الاغانی: ج ۲، ص ۱۲۹: اس میں مکہ واپسی کا ذکر ہے اور نبی موعود پر زیادہ مواد ہے

۶۔ ابن کثیر، مذکورہ بالا۔ ج ۲، ص ۲۲۴ اور ۲۲۷

۷۔ ابن کثیر، مذکورہ بالا۔ ج ۲، ص ۲۲۷۔ اس بیان وروایت میں دو دلچسپ نکتے قابل ذکر ہیں: ا۔ امیہ ثقفی کے بارے میں یہ ذکر ضرور آتا ہے کہ وہ اپنے تجارتی اسفار کے سلسلہ میں ہر مقام، مرحلہ اور منزل پر قیام کے دوران اس کے عیسائی اور یہودی علماء سے خوب ملاقاتیں کرتے تھے اور ان سے دینی بحث ومباحثہ بھی کرتے تھے۔ خاص کر نبی آخر الزماں ﷺ کے ظہور کے بارے میں سوالات پوچھتے کہ ان کو اپنی نبوت وبعثت کا خیال تھا۔ وہ اپنی قیام گاہوں پر ان کی اور دوسری مذہبی کتابوں کا مطالعہ بھی خوب کیا کرتے تھے۔ ان کے شریک تجارت حضرت ابوسفیان اموی کو عیسائیت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ۲۔ حضرت ابوسفیان امویؓ ان دونوں اسفار تجارت۔ شام ویمن۔ میں دوسرے تاجرانِ عرب وقریش کے مال تجارت کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ کا مال تجارت لے گئے تھے اور مضاربت پر آپ ﷺ کے لئے تجارت کیا کرتے تھے اور واپسی پر اصل مال واپس کر دیتے اور نفع میں شرطوں سے مطابق شریک ہو جاتے تھے

۸۔ ابن کثیر، مذکورہ بالا۔ ج ۲، ص ۲۵۵۔ ۲۵۶ میں ان دونوں اماموں کی روایات کو پیش کیا گیا ہے

۹۔ مفصل بحث کے لئے کتاب خاکسار، عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں۔ محرکات، مسائل اور مقاصد، نقوش رسول نمبر لاہور: ص ۲۹۲۔ ۳۱۹: قبائلی تفصیل کے لئے: زبیری: ص ۳۱۷ وغیرہ: دونوں سریہ نخلہ کے علاوہ بدر اور خندق میں بالترتیب شامل تھے: عثمان سریہ نخلہ میں بچ نکلے تھے اور غزوہ بدر میں بہ طور کافر قریشی فوج کے ساتھ شریک اور قید ہوئے۔ فدیہ دے کر رہا ہوئے جب کہ نوفل بن عبداللہ مخزومی غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدود وغیرہ کے ساتھ خندق میں مقتول ہوئے: ابن اسحاق/ ابن ہشام: ج ۲، ص ۹۸، ۲۹۷۔ واقدی: ۲۳، ۶۵۔ واقدی: ص ۱۷۔ کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے سریہ نخلہ کے قریشی قیدیوں کا فدیہ ادا کیا تھا۔ حضرت حکم بن کیسان سریہ نخلہ میں گرفتار ہو کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے: اصابہ: ۱۷۸۸

۱۰۔ شبلی: ج ۱، ص ۳۱۴۔ ۳۱۴ ومابعد

۱۱۔ استیعاب کے علاوہ اصابہ واسد الغابہ میں حضرت علاء بن الحضرمی کا خاکہ ملاحظہ ہو۔ نیز غلام جیلانی برق، مہمات رسول، نقوش رسول نمبر لاہور۔ ج ۴، ص ۳۸۵ ومابعد نے حضرت حکمؓ بن کیسان کو حضرت خالدؓ کے بھائی ہشام بن ولید بن مغیرہ کا مولیٰ قرار دے دیا ہے، جو غلط ہے

۱۲۔ واقدی: ۱۳، ۱۹: **حتی جاء نخلة فوجد عيرا لقريش...... فلما رأوهم اصحاب العير هابوهم** و **كانت العير فيها خمر وادم وزبيب جاء وا به من الطائف**۔ ابن سعد: ج ۲، ص ۱۰، ۱۱۔ نے اسے عیر قریش کہا ہے اور اس کے سامان وسمت قدوم کے بارے میں لکھا ہے: **و كان فيها خمر وادم وزبيب**

جاء من الطائف: شبلی: ج ۱، ص ۲۱۳۔ کاندھلوی: ج ۲، ص ۲۵۲۔ عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر: ص ۸۳ نے اسے شام کے وقت قریش کا ایک قافلہ آیا' بنادیا ہے: غلام جیلانی برق، مذکورہ بالا: ''مکہ وطائف کے مابین نخلہ میں قیام کرو' ہدایت نبوی، متعدد دوسرے مصادر سیرت وتذکرہ میں بھی اس کاروانِ قریش کے طائف سے آنے کا ذکر ہے: اسد الغابہ: ج ۲، ص ۲۴۰

۱۳۔ عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں، مذکورہ بالا معہ حواشی وتعلیقات: واقدی اور ابن سعد وغیرہ کے مذکورہ بالا حوالے جن میں سامانِ کارواں کا ذکر ہے

۱۴۔ عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں، حواشی بالخصوص ۹۲، ۹۶ و مابعد، یاقوت حموی، معجم البلدان: ج ۱، ص ۳۴۱، ۴۱۳۔ ج ۵، ص ۲۷۷، ۲۷۸

۱۵۔ عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں مذکورہ بالا معہ حواشی وتعلیقات

۱۶۔ جواد علی: ج ۵، ص ۹۳ بحوالہ ابن الکلبی، کتاب الاصنام: معجم البلدان، تاج العروس، لسان العرب وغیرہ

۱۷۔ اصابہ۔ خواتین: ۱۰۱۹۔ اصابہ: ۳۰۵۶: تذکرہ حضرت سائبؓ بن اقرع ثقفی، فتوحات ایران میں شریک ہوئے اور والی اصبہان بھی مقرر ہوئے اور والی مدائن بھی

۱۸۔ اصابہ: ۴۸۸۵: ۷۰۵۰

۱۹۔ اسد الغابہ: ج ۴، ص ۱۸۶، ۱۸۸

۲۰۔ قرآن مجید، آیاتِ سود: سورہ بقرہ: ۲۷۸ و مابعد: سورہ آل عمران: بحث کے لئے مقالہ خاکسار ''اسلام میں ربا کی تحریم۔ مختلف جہات کا تنقیدی تجزیہ''، مقالہ برائے قرآن سمینار ادارہ علوم القرآن علی گڑھ، منعقدہ ۶، ۸ / نومبر ۲۰۱۰

۲۱۔ مفصل بحث کے لئے: فضل الرحمٰن، تجارتی سود۔ علی گڑھ ۱۹۶۷ء: مقالہ خاکسار مذکورہ بالا: ''اسلام میں ربا کی تحریم......''

۲۲۔ تجارتی سود، ۹۔۱۰ بحوالہ بلاذری، فتوح البلدان، قاہرہ ۱۹۳۲ء، ۶۷: ابو حیان اندلسی۔ البحر المحیط: ج ۲، ص ۳۳۵: کانت ثقیف اکثر العرب ربا۔ سودی کاروبار میں سب عربوں سے پیش پیش ثقیف تھے۔ متعدد سیرت نگاروں نے خاص کر جدید اردو سیرت نگاروں نے بھی غزوۂ طائف ۹ھ/ ۶۳۰ء کے ضمن میں ان کے اس سودی کاروبار پر مختصر/مفصل بحث کی ہے

۲۳۔ تجارتی سود: ص ۱۶، ۱۷ بحوالہ تفسیر طبری: ج ۳، ص ۹۶۔ سیوطی، الدر المنثور: ج ۱، ص ۳۶۶۔ تفسیر خازن: ج ۱، ص ۳۰۲۔ تاریخ طبری: ص ۱۷۵۳۔ مقالہ مکہ۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام

۲۴۔ بحوالہ تفسیر طبری: ج ۳، ص ۶۶۔ سیوطی۔ الدر المنثور: ج ۱، ص ۳۳۶۔ رشید رضا۔ تفسیر المنار: ج ۳، ص ۱۰۳۔ ابو حیان اندلسی۔ البحر المحیط: ج ۲، ص ۳۶۵

۲۵۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۱، ص ۱۸۔ و مابعد: کتاب المنمق: ص ۲۲۵۔ ۲۲۶ و مابعد: سیرت نبوی کی متعدد

کتابوں میں اس پر بحث ملتی ہے

۲۶۔ بلاذری، فتوح البلدان: ص ۶۷۔ تفسیر طبری: ج ۳، ص ۶۶۔ سیوطی۔ الدر المنثور: ج ۱، ص ۳۳۶۔ تجارتی سود: ۱۰، حاشیہ: ۴۔۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مقالہ ثقیف، میں ایک مختصر تبصرہ سودخوری کے بارے میں کیا ہے کہ ''اہل طائف میں سودخواری کا وجود اور اطاعت ثقیف کے معاہدے میں آں حضرت ﷺ نے سود کے متعلق جو خصوصی احکام دیے تھے وہ غالباً ان ہی یہودیوں کے متعلق ہوں گے (جو طائف میں آبسے تھے)۔ یہ تبصرہ محض قیاس ہے۔ احکام اسلامی اور فرامینِ نبوی کا تمامتر تعلق ثقیف کے سودی کاروبار سے متعلق تھا نہ کہ یہودی سودخوری کے بارے میں

۲۷۔ البقرہ: ۲۷۸

۲۸۔ اصابہ: ۱۵۹۰۔ تذکرہ حبیب بن عمرو ثقفیؓ: ابن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم: ج ۱، ۳۳۰ و مابعد۔

۲۹۔ مفصل بحث کے لئے مذکورہ بالا کتاب خاکسار ''عہدِ نبوی میں تجارت'' کے ابواب: قرآن مجید کی آیتِ کریمہ کی تفسیر میں بالعموم سیرت نگاروں نے صرف شام ویمن کی تجارتِ قریش کا ذکر کیا ہے اور متعدد مفسرین کرام نے بھی۔ وہ اسواقِ عرب میں ان کی تجارت کا ذکر اس کی تفسیر میں نہیں دیتے۔ البتہ بعض محققین اور ماہرینِ تجارت نے اس کا وسیع تناظر میں مطالعہ اور تفسیر کی ہے

۳۰۔ مذکورہ بالا مباحث و مآخذ

۳۱۔ بغدادی۔ کتاب المحبر: ص ۱۷۳، ۱۷۸۔ کتاب المنمق: ص ۴۵۵، ۴۵۹۔ بلاذری: ج ۱، ص ۱۳۴، ۱۳۸ وغیرہ: عہد نبوی میں تجارت کا باب متعلقہ۔ بغدادی کی فہرست دراصل قریشی ندیموں کے جوڑوں پر مشتمل ہے۔ اس میں قریشی وثقفی یا قریشی غیر قریشی ندیموں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ ایسی کوئی فہرست کسی ماخذ میں نظر سے نہیں گذری۔ یہ ایک تحقیق طلب کام ہے کہ قریشی اور غیر قریشی عرب تاجروں کے ندیموں کی فہرست و بحث تیار کی جائے

۳۲۔ مقالہ خاکسار تحریم ربوا کے مباحث ملاحظہ ہوں نیز کتاب خاکسار کی عہدِ نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء کا باب احکامِ تحریم و کراہت

۳۳۔ رضاعت نبوی پر بحثِ ابن اسحاق/ابن ہشام وغیرہ مولفینِ سیرت۔

۳۴۔ اصنام عرب پر ملاحظہ ہو: ابن ہشام: ج ۱، ص ۴۸، ۸۱۔ ۹۰ و مابعد، شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ: ج ۱، ص ۶۰، ۶۴ و مابعد: ابن الکلبی، مذکورہ بالا: ۱۶، ۱۸ و مابعد۔ جدید کتب میں: جواد علی، العرب قبل الاسلام، باب اصنام العرب: ج ۵، ص ۹۱، ۹۷۔ شبلی: ج ۱، ص ۱۱۸۔ ۱۲۳ و مابعد: مکہ اسوہ نبوی: ص ۳۱۔ ۳۴ و مابعد

۳۵۔ اصابہ۔ خواتین: ص ۴۶۵۔ خاکہ حضرت زنیرہ: فقال المشرکون: اعمتها اللات والعزیٰ، فقالت: انی کفرت باللات والعزی۔ حضرت ام ہانی کی روایت کے الفاظ ہیں: فقالت قریش: ما اذهب بصرها الا اللات والعزی، فقالت: کذبوا، وبیت الله ما یغنی اللات والعزیٰ ولا ینفعان: ابن الکلبی

اور جواد علی دونوں نے لات وعزیٰ کی تقدیسِ قریش وثقیف کا ذکر کیا ہے اور ان کے مراسم کا بھی۔ شبلی: ج ا، ص ۱۱۸۔ ومابعد اور مکی اسوہ نبوی: ۳۲، ۳۳۔ میں ان بڑے اصنام عرب کے مقامات اور بتکدوں کا ذکر ہے۔ مودودی: ج ۲، ص ۱۰۳ ومابعد نے مسند احمد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ کے ایک پڑوسی نے بعثت سے قبل حضرت خدیجہ سے رسولِ اکرم ﷺ کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے: **ای خدیجة !والله لا أعبداللات والعزیٰ والله لا اعبد ابدا۔** قریش ان دونوں بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ قصہ بحیرا میں بھی لات وعزیٰ کا حوالہ ہے حال آں کہ وہ قصہ محض افسانہ ہے۔ تاریخی واقعہ نہیں: ابن سعد کے حوالے سے بوانہ نامی بت کے ایک استھان اور اس سے وابستہ رسوم کا ذکر کیا ہے۔ قریش وہاں جاتے تھے اور اس کا اعتکاف بھی کرتے تھے اور ایک بار آپ ﷺ کو بھی چچا ابوطالب لے گئے لیکن آپ ﷺ محفوظ رہے۔ وہ بت بھی ثقفی علاقے میں تھا اور اس کے قریب۔ بعد میں ایک صحابی نے وہاں قربانی کرنے کی اجازت مانگی تھی اور اس کا ذکر آگے آتا ہے

۳۶۔ شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغۃ: ج ا، ۱۲۴، ۱۲۵۔ **باب ما کان علیه حال اهل الجاهلیة فاصلحه النبی ﷺ:** مفصل بحث کے لئے، مکی عہدِ نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقا، باب اول، ا۔ ۳۱: مکی اسوہ نبوی، مذکورہ بالا۔ قریش وثقیف دونوں میں یہ تمام عقائد وارکان مشترک تھے۔ اگلے مباحث خاص کر ثقفی شاعر امیہ بن ابی الصلت کی شاعری کے حوالے سے ثقیف کے حنفی عقائد واعمال کا پختہ ثبوت ملتا ہے

۳۷۔ مفصل بحث: قریش وثقیف کا تمدنی ارتباط نامی حصہ میں آتی ہے

۳۸۔ حضرت عمرو بن سلمہ جرمی اپنی قوم کے نوخیز لڑکے تھے جب انھوں نے کاروانوں اور دوسرے آنے جانے والوں سے سن سن کر قرآن مجید کی کئی سورتیں یاد کر لی تھیں۔ اصابہ: ۵۸۵۹ وغیرہ: ثقفی لوگوں میں بھی ایسے اشخاص تھے کہ ان میں سے بعض کا ذکر آگے تمدنی ارتباط کے باب میں آتا ہے

۳۹۔ حضرت اخنس بن شریق ثقفی کے رفیق قریشی اکابر ابوسفیان اموی اور ابوجہل مخزومی کا مکی واقعہ بہت معروف ہے: مکی اسوہ نبوی: ص ۱۷۔ ومابعد بحوالہ ابن ہشام: ج ا، ص ۳۳۷، ۳۳۸۔ سہیلی: ج ۳، ص ۱۹۶، ۱۹۷

۴۰۔ ابن سعد: ۵۔ خاکہ حضرت ابن عباسؓ۔ اسد الغابہ: ج ۳، ص ۱۹۲، ۱۹۵۔ فواد سزگین: ج ا، ص ۶۳ ومابعد۔ حضرت ابن عباسؓ (م ۶۸ھ/ ۶۸۷ء ومابعد) نے طائف میں تیس سال قیام رکھا اور قرآن وتفسیر کی تعلیم دی۔ ان کے بیشتر تلامذہ جیسے سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ، مجاہد وغیرہ سب اسی طائف کے مکتبِ تفسیر کے پروردہ تھے اگرچہ وہ اموی دور کے مفسرین تھے

۴۱۔ اشفاق الرحمٰن کاندھلوی، کشف المغطاعن رجال الموطا: ضمیمہ المصفی / المسوی شاہ ولی اللہ دہلوی، کتب خانہ رحیمیہ دہلی ۱۳۴۷ھ، ۲۵: مولف گرامی نے موطا کی احادیث حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی کا ذکر نہیں کیا ہے، جب کہ اس تالیف لطیف کا مقصد رجال موطا کی احادیث ہے: **ابن حجر عسقلانی، هدی الساری مقدمة فتح الباری، عدة ما لکل صحابی فی صحیح البخاری موصولا و معلقا......الخ۔** ص ۲۶۷۔ احد عشر حدیثاً۔ اصابہ: ۸۱۸۱۔ اسد الغابہ: ج ۴، ص ۴۰۶۔ ومابعد میں زیادہ ذکر اسلامی خلافت کے

زمانے کے واقعات وحوادث کا ہے

۴۲۔ بخاری۔فتح الباری، کتاب الشروط، یہ روایت/حدیث بیشتر کتب سیرت میں بھی منقول ہے

۴۳۔ بخاری۔فتح الباری، کتاب الوضوء، باب اذا أدخل رجلیه وهما طاهران: صحیح مسلم، کتاب الوضوء

۴۴۔ مسلم، کتاب الصلوۃ، باب تقدیم الجماعة من یصلی بهم

۴۵۔ بخاری۔فتح الباری۔کتاب الشروط۔باب الشروط فی الجہاد الخ: ج ۵، ص ۴۰۳۔ وبعد: کتاب المغازی، باب غزوۃ صلح الحدیبیة

۴۶۔ بخاری۔فتح الباری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ عزوجل لا یسئلون الناس الحافا

۴۷۔ بخاری/ فتح الباری، کتاب فرض الخمس، باب الجزیة: اسی طرح دیت کے بارے میں حدیث نبوی حضرت عمرؓ کو بتائی تھی جس کا ذکر بخاری/ فتح الباری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة میں ہے

۴۸۔ مسلم۔کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام۔اصابہ: ۳۳۱۵

۴۹۔ اصابہ: ۳۳۲۶

۵۰۔ اصابہ: ۳۱۷

۵۱۔ اسد الغابہ: ج ۱، ص ۱۹۹

۵۲۔ اصابہ: ۱۳۸۸: ان کے والد ماجد کی صحابیت میں اختلاف ہے لیکن ان کی صحابیت پر اتفاق ہے۔ وہ مولفۃ القلوب میں شامل تھے

۵۳۔ اصابہ: ۱۷۷۸

۵۴۔ اصابہ: ۱۷۸۵

۵۵۔ اصابہ: ۱۷۸۰

۵۶۔ اصابہ: ۲۲۴۱

۵۷۔ اصابہ: ۲۲۷۴

۵۸۔ اصابہ: ۲۵۹۰: اور ان کے برادر قاسم ثقفی

۵۹۔ اصابہ: ۲۶۱۳

۶۰۔ اسد الغابہ۔راوی حدیث تسمیہ

۶۱۔ اصابہ: ۲۸۳۰ حدیث ولیمہ

۶۲۔ اصابہ: ۳۰۳۹

۶۳۔ اصابہ: ۳۱۸۷

۶۴۔ اصابہ: ۳۲۰۲

۶۵۔ اصابہ: ۳۵۸

۶۶۔ اصابہ: ۳۲۷۳

۶۷۔ اصابہ: ۳۳۰۸

۶۸۔ اصابہ۔خواتین: ۹۶۸

۶۹۔ ھدی الساری: ۶۶۸۔ ابن عبدالبر۔ استیعاب برحاشیہ اصابہ: ج ۴، ص ۳۱۰، ۳۱۱۔ اصابہ۔خواتین: ۳۱۱۔ مگر تفصیل ۴۵۳ میں ہے جو حضرت ریطہ بنت عبداللہ ثقفی کے ترجمہ میں ہے۔ دراصل ان کے نام میں اختلاف ہے کہ وہ ریطہ، رائطہ یا زینب تھا۔ بخاری۔ کتاب الزکوۃ، باب الزکوۃ علی الاقارب: باب الزکوۃ علی الزوج: مسلم، کتاب الزکوۃ میں صرف موخرالذکر حدیث ہے

۷۰۔ اصابہ۔خواتین: ۱۰۲۳۔ اصابہ: ۴۲۳۱۔ تذکرہ طارق بن المرقع کنانی۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۲۰۲۔ تذکرہ حضرت ابوزہیر بن معاذ بن رباح ثقفیؓ جن کو حضرت میمونہ بنت کردم ثقفیہؓ کا شوہر (زوج) قرار دیا گیا ہے اور جن سے ایک فرزند ابوبکر بن ابوزہیر ثقفی تھے۔ ان کا مادری نسب حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمیؓ جیسے مکی صحابی جلیل سے ملتا تھا۔ ان کو حجازی بتایا گیا ہے جو اس کی علامت ہے کہ وہ طائف کے باسی نہ تھے

۷۱۔ اصابہ۔خواتین: ۱۰۸۰، ۱۲۱۹۔ ام حفید

۷۲۔ اصابہ۔خواتین: ۱۱۴۱۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۲۰۲۔ دونوں مصادر نے ان کا اصل نام نہیں بتایا اور دو دو مقامات پر ان کو شمار کیا ہے

۷۳۔ اصابہ: ۸۶۶۶

۷۴۔ ابن حزم۔ جمہرہ: ۲۵۶۔ بخاری۔ فتح الباری: ج ۱، ص ۷۳۳، ۷۳۹۔ کتاب الصلوۃ، باب المساجد التی علی طرق المدینۃ والمواضع التی صلی فیہا النبی ﷺ۔ احادیث بخاری: ۴۸۳، ۴۹۲۔ مع اطراف متعددہ: حافظ ابن حجرؒ نے اپنی شرح میں دوسرے مآخذ جیسے زبیر بن بکار کی اخبار المدینۃ، مسلم، صحیح، بغوی، عمر بن شبہ وغیرہ سے متعدد مساجد کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں مسجد ثقیف کا ذکر نہیں ہے کیوں کہ ان کی بحث زیادہ تر مساجدِ مدینہ یا مساجد بر طریق مدینہ سے متعلق ہے۔

۷۵۔ ابن قتیبہ دینوری۔ الشعر والشعراء۔ بیروت ۱۹۶۴ء اور بعض دوسرے تذکرہ نگاروں نے بہت سے قبائلی شعراء و شاعرات کا ذکر کیا ہے جن میں ثقفی سخن ور بھی شامل ہیں

۷۶۔ ابن اسحاق: ج ۲، ص ۴۰۱، ۴۰۸۔ ومابعد۔ ابن ہشام نے ان میں سے بعض اشعار ساقط کر دیے ہیں جو آپ ﷺ کی ہجو میں تھے

۷۷۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۱، ص ۱۱، ۴۸۔ وغیرہ: زبیری: ص ۹۸، ۲۹۱۔ جمہرۃ: ۲۵۷۔ ابن قتیبہ، کتاب الشعر و الشعراء: ص ۲۶۹۔ ومابعد۔ مقالہ امیہ بن ابی الصلت، اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور از ادارہ: فواد سزگین۔ الشعر الجاھلی: ج ۲، ص ۳۲۹ ومابعد۔ نیز تذکرہ حضرت قاسم و ربیعہ، ابوالفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، دارالثقافہ، بیروت ۱۹۵۵ء: ج ۲، ص ۱۲۳، ۱۳۷۔ ذکر امیۃ بن ابی الصلت ونسبہ وغیرہ نے ان کے نام ونسب

واولاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے چار فرزند تھے: عمرو، ربیعہ، وہب اور قاسم۔ ان کو اشعر ثقیف کہا ہے اور ابوعبیدہ اور کمیت کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ تمام شہروں کے سب سے بڑے شاعر (اشعر) اہل یثرب ہیں پھر عبدالقیس ہیں اور پھر ثقیف اور ثقیف میں اشعر' امیہ بن ابی الصلت ہیں۔ ان کے احوال پر بھی عمدہ مواد ہے

۷۸۔ مقالہ ثعلب، اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور، از پارے (R.Paret): ان کا نام ونسب تھا: ابوالعباس احمد بن یحیٰ بن زید بن سیار/ یسار الشیبانی جو بنوشیبان کے مولیٰ ہونے کے سبب شیبانی کہلاتے تھے۔ وہ عرب نحویوں میں ممتاز تھے اور نحاۃِ کوفہ میں شمار ہوتے تھے لیکن زندگی کا بیشتر حصہ بغداد میں گذارا۔ ثعلب ان کا لقب تھا۔ ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے لیکن ان کے اقوال وآراء کو مختلف اہل علم نے نقل کیا ہے۔ حضرت قاسم بن امیہ ثقفی کے لئے۔ اصابہ: ۷۰۵۲۔ استیعاب برحاشیہ اصابہ۔ ابن قتیبہ۔ کتاب الشعر والشعراء: ص ۲۸۲۔ فواد سزگین: ج ۲، ص ۳۳۲۔ جس میں متعدد مآخذ کا ذکر ہے جیسے اغانی، شعراء وشعراء ابن قتیبہ، مرزبانی، معجم الشعراء، سمط اللآلی، بروکلمان وغیرہ۔ حضرت قاسم ثقفی کے تذکرہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کے والد امیہ بن ابی الصلت ثقفی اور ان کے عقائد کا زیادہ ذکر کیا ہے۔ وہ نبوت وبعثت کے ساتھ آخرت کو مانتے تھے مگر نبوت محمدی پانے کے باوجود اس کو تسلیم نہیں کیا۔ اسلام میں داخل ہونے کا عذر یہ تھا کہ وہ اپنی قوم کو بتاتے تھے کہ وہ نبی مبعوث ہیں۔ ان کو خدشہ یہ تھا کہ اگر وہ رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرلیں تو ان کی اس حرکت کو سیئات ثقیف میں شمار کر کے یہ کہا جائے گا وہ بنوعبد مناف کے ایک غلام/ نوجوان کے پیرو بن گئے۔ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اس کا ذکر حضرت ابوسفیان بن حرب کی روایت پر ایک طویل قصہ کے ضمن میں کیا ہے۔ وہ قریشِ مکہ کے ایسے حلیف اور دوست تھے کہ انھوں نے ان کے مقتولینِ بدر پر ایک طویل مرثیہ کہا تھا

۷۹۔ اصابہ: ۲۵۹۰

۸۰۔ جمہرہ ۲۷۲۔ اصابہ: ۸۶۴۱۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۲۰۴۔ فواد سزگین: ج ۲، ص ۲۳۸، ۲۴۰۔ جمحی۔ طبقات فحول الشعراء: ۳۴: ۱۰۳، ۱۰۹۔ ابن قتیبہ۔ الشعر والشعراء: ۲۰۸۔ زرکلی، الاعلام: ج ۶، ص ۵۸ وغیرہ

۸۱۔ زبیری۔ اصابہ: ۶۹۲۴ اور ۴۴۱۴ برائے حضرت عامر بن غیلان ثقفی۔ جمہرہ: ۲۵۶۔ معجم البلدان، طائف، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مقالہ ثقیف۔ فواد سزگین: ج ۲، ص ۳۳۵

۸۲۔ جمہرہ: ۲۵۷۔ اصابہ: ۱۰۱۸۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۲۹۰، ۲۹۵۔ واقدی: ۹۲۶، ۹۳۰۔ ۹۳۵: ۵۵۔ فواد سزگین: ج ۲، ص ۳۳۳۔ و مابعد: ابن قتیبہ۔ الشعر والشعراء: ۳۳۶۔ ۳۳۷

۸۳۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام میں شعرِ عصر کی صحت پر سب سے پہلے ابن ہشام کا تنقیدی مقدمہ ملاحظہ ہو۔ اس کے علاوہ عبدالوہاب عزام، ڈاکٹر محمد حمید اللہ سیرت ابن اسحاق پر محاکمہ اور دوسرے اہل نقد کے تبصرے بھی ملاحظہ ہوں۔ خاکسار کے مقالہ ''سیرت ابن اسحاق کے تنقیدی مطالعہ'' میں بھی ہے

۸۴۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۱، ص ۲۸۲۔ وغیرہ: ۲۸۶۔ و مابعد: معجم البلدان، الطائف: اس میں بعض انصار کے

علاوہ مرداس بن عمرو ثقفی کے چھ اشعار بھی ہیں۔ فواد سزگین: ج ۲، ص ۲۳۷، ۲۴۰

۸۵۔ ابن اسحاق اردو، نقوش رسول نمبر: ج ۱۱، ص ۱۸۱، ۱۸۲۔ محقق سیرت ابن اسحاق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے امام سہیلی کے حوالے سے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت حمزہؓ ۶ سال بعثت میں اسلام لائے تھے اور نبوی سفر طائف سن ۱۰ نبوی کا ہے لہٰذا یہ معلوم نہیں کہ یہ اشعار کس واقعہ کے متعلق ہیں۔ یہ مترجم کا بھی خیال ہے کہ ''یہ آخری حصہ غیر واضح ہے''۔ اس کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اگر یہ اشعار صحیح ہیں تو ضروری نہیں کہ حضرت حمزہؓ نے ان کو اپنے اسلام لانے کے فوراً بعد کہا ہو، ثقیف سے متعلق حصہ یقیناً سفر کے بعد زمانے کا ہے۔ عرب شعر کی تاریخ ہی میں نہیں عالمی شعر کی تاریخ میں بھی یہ ذکر بعض شعراء کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کسی متاخر واقعہ یا شخصیت سے متاثر ہو کر شعر کہہ دیتے تھے اور ان کو اپنی کسی پہلے کی غزل، نظم وغیرہ میں شامل کر دیتے تھے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ واقعہ کے کافی بعد بھی ان کے قلم سے اشعار اس کے بارے میں کس متاخر تحریک کی وجہ سے نکلے تھے

۸۶۔ امیہ بن ابی الصلت ثقفی پر بحث مذکورہ بالا۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام۔ واقدی۔ ابن سعد۔ طبری وغیرہ مختلف کتب سیرت میں معاصر شعراء کے تذکرے میں کلام کی سماعت نبوی بل کہ فرمائش کا ذکر ملتا ہے نیز ماٰخذ مندرجہ ذیل

۸۷۔ اصابہ۔ خواتین: ۸۲۴

۸۸۔ اصابہ: ۳۸۹۲۔ مسلم۔ صحیح، کتاب الشعر، باب فی انشاد الاشعار الخ: حدیث (۵۸۸۵)۱۔ (۲۲۵۵) وغیرہ۔ کتاب الاغانی: ج ۲، ص ۱۳۲، ۱۳۴۔ و مابعد میں ان کے دو دختروں اور ایک بہن کا ذکر ہے اور ان کے علاوہ بعض دوسرے اسفار یمن وغیرہ کا بھی

۸۹۔ فاد وسزگین وغیرہ کے مذکورہ بالا حوالے۔ سید ابوالحسن علی ندوی کی مختارات میں حضرت حجاج بن یوسف ثقفی کا مشہور ''خطبہ بترا''۔ اردو دائرہ اسلامیہ میں مقالہ حجاج بن یوسف ثقفی، تاریخ ادب کی کتابوں میں جاہلی اور اسلامی ادوار کے خطباء و ادبا میں ثقفی/ ہوازنی عبقریات کا ذکر ملاحظہ ہو۔

۹۰۔ المسعودی: مروج الذہب، طبع یورپ، ۱: ۱۳۳ تا ۱۳۵

۹۱۔ جمہرہ: ۳۰۸۔ شبلی نعمانی: ج ۱، ص ۱۹۳، ۹۵۔ معہ حاشیہ ۱، ۲: مقالہ لیمنس و ادارہ، قس بن ساعدہ الایادی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ بحوالہ ماٰخذ، تاج العروس، قس، لسان العرب، اللآلی المصنوعہ وغیرہ: قس کے مذکورہ بالا خطبہ عکاظ کی حدیثی حیثیت پر نقد کیا گیا ہے اور اسے ضعیف ہی نہیں موضوع قرار دیا گیا ہے۔ تاہم یہ تسلیم شدہ ہے کہ قس بن ساعدہ ایادی ایک تاریخی شخص تھے اور جاہلی دور کے عمدہ خطیب بھی۔ جواد علی۔ مذکورہ بالا: ج ۵، ص ۳۷۱، ۳۷۴ نے تمام روایات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور متعدد مصادر کی روایات پر مبنی جامع تجزیہ بھی پیش کیا ہے

۹۲۔ مذکورہ بالا چار دھاۃ عرب کے سوانحی خاکے ابن سعد، اصابہ، اسد الغابہ وغیرہ میں: طبری وغیرہ کی تاریخ میں ان کے کارنامے: ادب و محاضرات کی کتب

۹۳۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۱۳۱۔ مقالہ ثقیف از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور

۹۴۔ ابن ابی اُصیبعہ: ج ۱، ص: ۱۱۳۔ اس کتاب کا نام ''کتاب المحاورۃ فی الطب بینہ و بین کسری انوشیروان'' ہے۔

۹۵۔ مطالع البدور: ج ۲، ص ۱۰۱ تا ۱۰۴

۹۶۔ جمہرہ: ۲۵۶۔ اصابہ: ۵۔ ۱۴۷۔ مقالہ ثقیف مذکورہ بالا

۹۷۔ اصابہ: ۱۳۸۸۔ اسد الغابہ: ۱

۹۸۔ اصابہ۔ کتاب النساء: ۱۵۷: قال هيت المخنث انها تقبل باربع وتدبر بثمان. واقدی: ۹۳۳، ۹۳۵

۹۹۔ فتح الباری: ج ۸، ص ۵۴، ۵۵۔ نیز دو اطراف ۵۲۳۵، ۵۸۸۷۔

۱۰۰۔ کتاب النکاح، باب ما ينهىٰ من دخول المتشبهين بالنساء على المراة: فتح الباری: ج ۹، ص ۴۱۴ ومابعد۔

۱۰۱۔ بہ حوالہ ابن عیینہ۔ ابن حبیب۔ الواضحہ (حبیب کاتب امام مالک کی امام موصوف سے تصریح)، تاریخ الجوزجانی، ابویعلیٰ، ابوعوانہ، ابن حبان، مستغفری، ابن ابی شیبہ، دورقی، ابویعلیٰ، بزار۔

۱۰۲۔ فتح الباری: ج ۹، ص ۴۱۴، ۴۱۷

۱۰۳۔ فتح الباری: ج ۹، ص ۴۱۶۔ اعطني حلي بادية بنت غيلان وكانت من احلى نساء ثقيف۔ بہ حوالہ ابن اسحاق/ المغازی، نیز ابونعیم۔ (واقدی: ۹۳۵، ۹۳۶ ومابعد:) اصابہ۔ خواتین: ۳۶۲۔ میں دو خواتین کے زیورات کا ذکر ہے: بادیہ بنت غیلان یا فارعہ بنت عقیل اور باقی واقعہ کا خاص کر رسولِ اکرم ﷺ کے جواب کا ذکر ہے۔ حضرت خولہؓ کے بیان اور رسولِ اکرم ﷺ سے ان کے مکالمے سے حضرت عمرؓ نے یہ نتیجہ اپنی خداداد ذہانت سے نکال لیا تھا کہ طائف کا فتح کرنا ابھی مقدر نہیں اور محاصرہ طائف اٹھانے کا معاملہ درپیش ہے۔

۱۰۴۔ مفصل بحث کتاب خاکسار عہدِ نبوی کا تمدن میں ہے، باب ہدایا۔ مآخذ میں بخاری اور دیگر کتب حدیث کے کتب الھبۃ، الھدایا وغیرہ ملاحظہ ہوں

۱۰۵۔ ابن سعد: ص ۱۱۰، ۱۱۴۔ مفصل بحث کے لئے کتابِ خاکسار: رسولِ اکرم ﷺ کی رضاعی مائیں'': نیز اسلامی احکام کا ارتقاء، باب رضاعت

۱۰۶۔ اصابہ: ۹۸۱۔ اصابہ میں ام مسلم ہے لیکن اسد الغابہ: ج ۴، ص ۳۶۳۔ ومابعد میں ہے کہ نبیذ بنانے کا حکم حضرت انس خادم نبوی کی ماں حضرت ام سلیم کو دیا تھا

۱۰۷۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۱۵۲

۱۰۸۔ اسد الغابہ: ج ۲، ص ۱۹۳۔ خاکہ حضرت زاہر بن حرام اشجعیؓ کے بارے میں یہ اہم اور دلچسپ اطلاع ملتی ہے کہ وہ بادیہ (دیہات) کا ہدیہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں اکثر و بیشتر بھیجا کرتے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ جب کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو ان کو ضرور ساتھ لے لیتے تھے۔ وہ تاجر تھے اور مدینہ کے بازار میں تجارت کے لئے آتے تھے۔ ان ہی کے بارے میں یہ محبت بھرا واقعہ ملتا ہے کہ وہ ایک بار مدینہ کے بازار میں سامان بیچ رہے تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کے پیچھے سے جا کر ان کو چمٹا لیا اور فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے۔ حضرت زاہرؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کو پہچانا تو عقیدت و محبت سے لبریز لہجے میں عرض کیا کہ اس بے دام کو کون

خریدے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس غلام بے دام کی بڑی قیمت اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں ہے: نیز اصابہ: ۷۷۷۲۔ ہدایائے عرب پر کتاب: عہدِ نبوی کا تمدن، باب ہدایا

۱۰۹۔ اسد الغابہ: ج ۴، ص ۴۲۶۔ اصابہ: ۸۲۸۰۔ اصابہ۔ اسد الغابہ کے مختلف سوانحی خاکوں میں رسولِ اکرم ﷺ کی سنت ہدیہ کے بہت سے شواہد ہیں جیسے ج ۲، ص ۱۷۲، ۱۷۵، ۱۹۴ وغیرہ ج ۳، ص ۴۱، ۱۰۲، ۲۲۷، ۳۴۰ وغیرہ۔ مفصل بحث کے لئے۔ عہد نبوی کا تمدن، باب ہدایا

۱۱۰۔ زبیری: ۱۵۷ و مابعد

۱۱۱۔ اصابہ: ۹۱۵۷۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۹۴۔ اور اصابہ: ۹۱۶۱ کے مطابق یہ مرحوم ثقفی حضرت وہبؓ بن خویلد بن ظویلم بن عوف بن عبدہ ثقفی تھے

۱۱۲۔ اصابہ: ۸۶۵۴۔ **وکان سال عمر بن الخطاب ان یقطعه قطیعة بالبصرة، فکتب الی ابی موسیٰ ان یقطعه عشره اجربة لیس فیها حق لمسلم ولا لمعاهد ففعل**

۱۱۳۔ مذکورہ بالا۔ نقوش رسول نمبر: ج ۵، ص ۶۹۶۔ ومابعد

۱۱۴۔ مذکورہ بالا نیز اصابہ واسد الغابہ میں خاکہ صحابی موصوف۔ اسد الغابہ: ج ۴، ص ۳۶۷، ۳۶۸

۱۱۵۔ آیات قرآنی: الاعراف: ۱۵۷، ۱۵۸۔ امیون۔ امیین۔ البقرہ: ۷۸۔ آل عمران: ۲۰، ۷۵۔ جمعہ: ۲۔ اور ان کی تفاسیر

۱۱۶۔ بخاری۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی۔ کتاب التعبیر۔ مسلم۔ کتاب الایمان، باب بدء الوحی۔ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین: ج ۲، ص/۴۳۴۔ شرح حافظ میں اس کی دوسری روایات ہیں: **ویکتب من الانجیل بالعربیة** مسلم میں ہے: **فکان یکتب الکتاب العربی**، اور سب صحیح ہے۔ ابن اسحاق اردو: **ورقه بن نوفل**...... نصرانی تھے، انھوں نے علم حاصل کیا تھا اور وہ کتابوں کے احکام کی پیروی کرتے تھے۔ فتح الباری: ج ۱، ص ۲۹، ۳۴۔ ومابعد۔ حضرت ورقہ عربی اور عبرانی دونوں کتابوں اور زبانوں پر قدرت رکھتے تھے: **لتمکنه من الکتابین واللسانین**۔ کتاب الاغانی: ج ۳، ص ۱۱۳، ۱۱۵۔ میں حدیثِ حضرت عائشہ کا متن موجود ہے

۱۱۷۔ کتاب الاغانی: ج ۲، ص ۱۲۳۔ ومابعد: **قد نظرفی الکتب وقراها، لانه قرأ فی الکتب ان نبیا یبعث من العرب، فکان یرجوان یکونه**

۱۱۸۔ غزوات بنوقینقاع، بنوالنضیر اور بنوقریظہ کے علاوہ جنگ خندق میں آطام مدینہ کی بحث: مفصل بحث کے لئے عہد نبوی کا تمدن: فن تعمیر وتکنیک

۱۱۹۔ طائف کے عنوان سے مذکورہ بالا مقالات معجم البلدان و ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۱۲۰۔ کتبِ سیرت میں غزوۂ خیبر وغزوہ طائف کے بیانات وابواب خاص کر ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۱۲۲، ۱۳۴۔ ومابعد وغیرہ: تنظیم ریاست وحکومت کا باب سوم، باب غزوہ خیبر اور غزوہ طائف

۱۲۱۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۱۲۲، ۱۳۴۔ ومابعد۔ واقدی: ۹۲۲، ۹۳۸۔ ابن سعد: ۲۔ مزید بحث اگلے

باب میں آتی ہے

۱۲۲۔ مذکورہ بالا کے علاوہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کا خاکہ ابن سعد: ج ۵، ص ۵۰۳، ۵۰۴: وہ جرش میں دبابات و منجنیق کا عمل جاننے گئے تھے، یہ بیان واقدی اور دوسری کتبِ سیرت میں بھی ہے

۱۲۳۔ مذکورہ بالا کتبِ سیرت۔ اصابہ: ۴۲۵۴۔ اسد الغابہ: ج ۳، ص ۵۴، ۵۵۔ خاکہ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ اور ان کے فرزند حضرت عمرو بن طفیل دوسیؓ کے لئے اصابہ: ۵۸۸۱۔ بحث کے لئے عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، باب سوم، جنگی/حربی آلات

۱۲۴۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۱، ص ۱۷۲، ۱۷۸۔ و مابعد نیز ج ۴، ص ۹۱، و مابعد: حضرت شیماءؓ کے قدوم اور واقعہ کے لئے متعدد کتب سیرت۔ شبلی: ج ۱، ص ۱۷۳، ۱۷۵۔ وغیرہ

۱۲۵۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، باب شق صدرہ الشریف۔ نووی۔ المنہاج: ج ۱، ص ۳۶۲، ۳۶۳۔ ابن سید الناس: ج ۱، ص ۵۰، ۵۱۔ سیرۃ المصطفیٰ: ج ۱، ص ۷۴، ۸۵۔ سیرت سرور عالم: ج ۲، ص ۹۷۔ و مابعد

۱۲۶۔ بحث کے لئے کتاب خاکسار۔ وحی حدیث۔ نئی دہلی ۲۰۰۴ء: ۱۶۲، ۱۶۳۔ بحوالہ مسلم۔ کتاب الایمان، باب الاسراء۔ شق صدرہ الشریف۔ نووی: ج ۱، ص ۳۶۲، ۳۱۳

۱۲۷۔ ابن اسحاق اردو، نقوش رسول نمبر: ج ۱۱، ص ۴۵۲۔ یہ یونس بن بکیر کی روایت ہے جو دوسرے مآخذ میں بھی آئی ہے۔ اسد الغابہ: ج ۱، ص ۳۳۸۔ اصابہ: ۱۴۳۸۔ شبلی: ج ۱، ص ۱۷۴، ۱۷۵۔ مآخذ کا بیان زیادہ مفصل ہے: حضرت حارث ثقفیؓ/سعدی رسول اکرم ﷺ کے پاس مکہ آئے تھے۔ قریش نے ان سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے فرزند کیا کہتے ہیں۔ ان کے استفسار پر بتایا کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ لوگوں کو زندہ کرے گا اور لوگوں کے لئے آخرت میں دو گھر ہیں۔ نافرمانوں کو عذاب دے گا اور فرمانبرداروں کو نوازے گا۔ انھوں نے ہمارا معاملہ خراب کر دیا ہے اور ہماری جماعت میں تفریق پیدا کر دی ہے۔ تب حضرت حارث نے رسولِ اکرم ﷺ سے پوچھا تھا اور آپ کے فرمانے پر اسلام لائے تھے

۱۲۸۔ شبلی: ج ۱، ص ۱۷۴۔ ''ابن ابی خیثمہ نے تاریخ میں، ابن جوزی نے حداء میں، منذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں، ابن حجر نے اصابہ میں ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے۔ حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''التحفۃ الجسیمۃ فی اثبات اسلام حلیمۃ'' ہے۔ شبلی کا یہ بیان زرقانی جلد ۱۶۶ کے حوالے سے ہے۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۴۲۶، ۴۲۸۔ میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے آنے اور ملاقات کرنے کا زمانہ اور مقام ۸ھ/۶۳۰ء، جعرانہ غزوہ حنین کے بعد قرار دیا گیا ہے۔ یہ بہ ہر حال حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی زیارت نبوی اگر صحیح ہے تو دوسری یا آخری زیارت ہے۔ اولین زیارتیں مکہ میں ہوئی تھیں۔ اصابہ۔ النساء: ۲۹۹۔ ج ۵، ص ۲۶۶۔ **جاء ت حلیمة بنت عبدالله ام النبی ﷺ من الرضاعة الی رسول الله ﷺ فقام الیها و بسط لها رداء ه فجلست علیه**۔ اس میں مقام و تاریخ زیارت کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن دوسری روایت جو ابوداؤد و ابویعلیٰ وغیرہ سے مروی ہے اس میں ایک بدوی عورت کے آنے کا ذکر ہے جن کو

جعرانہ میں آپ ﷺ نے تعظیم دی تھی اور جن کو رضاعی ماں کہا گیا ہے مگر اس میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے نام کی صراحت نہیں ہے۔ غالباً ان سے مراد حضرت شیماءؓ ہیں جن کو حضرت حلیمہؓ سے خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ تمام روایات کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ فتح مکہ سے قبل وفات پا چکی تھیں۔ مفصل بحث کے لئے: کتاب خاکسار: رسول اکرم ﷺ کی رضاعی مائیں: حضرت حلیمہ سعدیہ پر بحث

۱۲۹۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۹۱۔ و مابعد۔ ۱۳۴ و مابعد۔ اصابہ۔ خواتین: ۲۳۳۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۴۸۹۔ ان کی بعد کی زندگی کے واقعات کا تذکرہ نہیں ملتا

۱۳۰۔ سیرت ابن اسحاق اردو: ج ۱، ص ۱۱۸۔ بخاری۔ فتح الباری: ج ۷، ص ۱۷۹۔ و مابعد: حدیث ۱۸۲۶ و طرف۔ ۵۴۹۹۔ کتاب مناقب الانصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل: حدیث بخاری میں بعثت سے قبل ''اسفل بلدح'' میں زیدؓ بن عمرو بن نفیل سے ملاقات نبوی کا اور کھانا پیش کرنے کا واقعہ وغیرہ مذکور ہے۔ اسفل بلدح کی تشریح میں حافظ ابن حجرؒ نے دو قول نقل کئے ہیں: ا۔ تنعیم کے راستے میں ایک ''مکان'' ہے۔ ۲۔ دوسری ضعیف روایت میں اسے ایک وادی بتایا گیا ہے۔ باب کی شرح میں حافظ موصوف نے حضرت زیدؓ کے دین حنفی پر عمل، شام کے سفر اور دین ابراہیمی و اسماعیلی (ملۃ ابراھیم و اسمٰعیل) پر زندہ رہنے اور مرنے وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور ابن اسحاق کی روایت کے مطابق بعثت نبوی سے پانچ سال قبل قریش کی تعمیر کعبہ کے وقت بلادِ لخم میں ان کے باسیوں کے ہاتھوں ان کے شہید ہونے کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس میں رسول اکرم ﷺ کے مکہ سے نکلنے کا تو ذکر کیا ہے لیکن طائف سے آمد کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ البتہ حضرت زید بن حارثہ کلبی کی کئی روایات ضرور ہیں

۱۳۱۔ شبلی نعمانی۔ سیرت النبی: ج ۱، ص ۲۵۰۔ بحوالہ مواہب لدنیہ جو اصل ماخذ ہے

۱۳۲۔ اصح السیر: ۵۶۔ پورا بیان بلا حوالہ مآخذ ہے صرف حضرت عداسؓ نصرانی کے بارے میں مآخذ کا ذکر ہے

۱۳۳۔ سیرۃ المصطفیٰ: ج ۱، ص ۲۷۴۔ و مابعد بحوالہ عیون الاثر جو اصل ماخذ کاندھلوی ہے

۱۳۴۔ رحمۃ للعالمین: ج ۱، ص ۶۲ بحوالہ طبری

۱۳۵۔ الرحیق المختوم اردو: ۱۹۹۔ تاریخ سفر طائف مولانا نجیب آبادی کی تاریخ اسلام: ج ۱، ص ۱۲۲۔ سے لی ہے جو ان کے نزدیک بھی راجح ہے: واقعہ سفر طائف کا ماخذ نہیں دیا، شدت ایذاء کے لئے صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق اور مسلم کا حوالہ ہے

۱۳۶۔ سیرت سرور عالم: ج ۲، ص ۶۳۲، ۶۳۳

۱۳۷۔ السیرۃ النبویۃ: ۱۴۱، ۱۴۲۔ بحوالہ خاتم النبیین للعلامۃ المرحوم ابی زھرۃ: ج، ص ۵۸۰۔ توجه الی الطائف فی اخریات شوال من السنة العاشرة" تقع مدینة الطائف علی مسافة خمس وسبعین میلا تقریباً الی الجنوب الشرقی من مکة (۲)، الاصطخری، المسالك و الممالك: ص ۲۴

۱۳۸۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۲۸۔ الروض الانف: ج ۴، ص ۳۳۔ نے جس کی تشریح و تعبیر نہیں کی ہے،

صرف متن نقل کیا ہے

۱۳۹۔ ابن سعد: ج ۱ص ۲۱۱،۲۱۲

۱۴۰۔ طبری، تاریخ: ج ۲،ص ۳۴۴ ومابعد

۱۴۱۔ ابن سعد: ج ۱،ص ۲۱۰، ۲۱۱

۱۴۲۔ انساب الاشراف: ج ۱،ص ۲۳۷

۱۴۳۔ انساب الاشراف: ج ۱،ص ۲۳۷

۱۴۴۔ بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یقتل ببدر۔ فتح الباری: ج ۷،ص ۳۵۷۔ ومابعد۔ شبلی: ج ۱، ص ۳۰۶، ۳۰۷۔ بحوالہ صحیح بخاری: حدیث ۳۹۵۰۔ تمدنی ارتباط کے باب میں ابوسفیان اموی کے طائف کے شیوخ واکابر واعزہ کے ہاں اترنے اور قیام کرنے کے واقعات پر بحث کی گئی ہے، حدیث بخاری: ۳۹۵۰ کے الفاظ ہیں: **وکان امیة اذا مر بالمدینة نزل علیٰ سعد، وکان سعد اذا مربمکة نزل علی امیة، انطلق سعد معتمرا فنزل علی امیة بمکة**

۱۴۵۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۲،ص ۲۹۔ "**وقد لقی رسول اللہ ﷺ. فیما ذکر لی. المراة التی من بنی جمح فقال لها:**

۱۴۶۔ اسد الغابہ: ج ۵،ص ۴۵۴۔ اصابہ: ۴۲۶۔ یہ دلچسپ اضافہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو نصیحت کی تھی کہ طاغیہ کی پوجا کرنا اور نہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا۔ انھوں نے عرض کیا: تب تو وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز پڑھتے وقت اس کی طرف پیٹھ رکھنا: "**فاذا صلیت فولیها ظهرك**"

۱۴۷۔ اسد الغابہ: ج ۲،ص ۷۷، ۷۸۔ اصابہ: ۲۱۵۲۔ مشرفہ ثقیف سے کیا مراد ہے؟ یہ تو واضح ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی قیام گاہ تھی، لغوی اعتبار سے اس کے معنی ہیں۔ بلند جگہ (مصباح اللغات)۔ لسان العرب میں بھی یہی ہے لیکن دونوں میں مشرفہ نہیں ہے [ش رف]

۱۴۸۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۲،ص ۲۸۔ ومابعد۔ سہیلی: ج ۴،ص ۳۳۔ ومابعد۔ طبری: ج ۲،ص ۳۴۴۔ ومابعد بحوالہ روایت سلمہ از ابن اسحاق۔ ابن سید الناس: ج ۱،ص ۱۷۷۔ ومابعد۔ سیرۃ المصطفیٰ: ج ۱،ص ۲۷۵۔ ومابعد۔ سیرت سرور عالم: ج ۲،ص ۶۳۳۔ شبلی: ج ۱،ص ۲۵۰، ۲۵۱ نے رسول اکرم ﷺ کے فرمان اور راوی کے خیال والا حصہ نقل نہیں کیا

۱۴۹۔ ابن سعد: ج ۱،ص ۲۱۲۔ سیرت سرور عالم: ج ۲،ص ۶۳۴

۱۵۰۔ الزخرف: ۳۱

۱۵۱۔ بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب اذا قال احدکم آمین الخ: فتح الباری: ج ۶،ص ۳۷۹، ۳۸۰۔ نے یوم العقبۃ کی تشریح نہیں کی ہے۔ اصابہ: ۵۲۷۰۔ عبد یالیل بن عمرو ثقفی اصابہ میں دراصل ان کا یعنی تذکرہ مسعود بن عبد یالیل ثقفی نہیں ہے۔ وہ ان کے والد کے تذکرہ میں ہی شامل ہے: وحید الزماں، تیسیر الباری، دہلی

اعتقاد پبلشنگ ہاؤس طباعت غیر مورخہ: ج ۴، ص ۳۵۴۔ میں عقبہ کو طائف کی طرف ایک مقام بتایا ہے: معجم البلدان، عقبہ: " منزل فی طریق مکة بعد واقصة، وقیل القاع لم یرد مکة وھو ماء لبنی عکرمة بن بکر بن وائل" وہ طائف کی سمت میں ایک مقام ہے اور انصار مدینہ کے ساتھ معاہدے کے ضمن میں جس عقبہ کا ذکر ہے وہ مکہ اور منیٰ کے درمیان مکہ سے دو میل کی مسافت پر واقع ہے

۱۵۲۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۳۰، ۳۱۔ تاریخ طبری: ج ۲، ص ۳۴۶۔ ابن سید الناس: ج ۱، ص ۱۷۷، ۱۷۸ نیز مذکورہ بالا جدید کتب سیرت

۱۵۳۔ انساب الاشراف: ج ۱، ص ۲۳۷۔ ابن سعد: ج ۱، ص ۲۱۱۔ و مابعد محمد رسول اللہ، ۵۵۹ پیرا: ۱۲۰

۱۵۴۔ ابن سعد: ج ۱، ص ۲۱۲

۱۵۵۔ بلاذری: ج ۱، ص ۲۳۷

۱۵۶۔ ابن سعد: ج ۱، ص ۲۱۲۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام، مذکورہ بالا۔ ابن سید الناس: ج ۱، ص ۱۷۸۔ بحوالہ ابن ہشام۔ تاریخ طبری: ج ۲، ص ۳۴۷، ۳۴۸

۱۵۷۔ بلاذری: ج ۱، ص ۲۳۷

۱۵۸۔ کاندھلوی: ج ۱، ص ۲۷۵، ۲۷۶۔ تاریخ طبری: ج ۲، ص ۳۴۵۔ میں کافی فرق ہے

۱۵۹۔ بخاری۔ فتح الباری: ج ۶، ص ۳۷۶۔ و مابعد۔ کتاب بدء الخلق۔ باب ذکر الملائکۃ، ابن سید الناس: ج ۱، ص ۱۷۸۔ بحوالہ الصحیح من حدیث عائشہؓ۔ سیرۃ المصطفیٰ: ج ۱، ص ۲۷۸۔ بحوالہ بخاری و معجم طبرانی و فتح الباری۔ سیرت سرور عالم: ج ۲، ص ۲۳۴، ۲۳۶ میں سب سے زیادہ تفصیل ہے

۱۶۰۔ ابن سعد۔ مذکورہ بالا۔ بتاریخ طبری: ج ۲، ص ۳۴۶۔ و مابعد۔ شبلی: ج ۱، ص ۲۵۰، ۲۵۱

۱۶۱۔ شبلی: ج ۱، ص ۲۲۳ و مابعد

۱۶۲۔ مذکورہ بالا کتب سیرت: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، اردو ترجمہ نذیر حق۔ نقوش رسول نمبر ۱۹۸۲ء: ج ۲، ص ۵۵۹۔ پیرا: ۱۲۰۔ موخر الذکر نے اس رشتہ کا ماخذ نہیں بیان کیا ہے۔ دوسروں نے مآخذ کا ذکر کیا ہے اور ان کے علاوہ طائف کی سیاسی اور فوجی طاقت اور ان سے رضاعت و حضانت کے رشتوں کا بیان تمام مآخذ اصلی میں ملتا ہے"۔ بہ ہر حال ڈاکٹر موصوف نے اپنے مقالہ طائف کے اواخر میں مآخذ دیے ہیں، اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور: نیز مقالہ دیگر بعنوان، "ثقیف"

۱۶۳۔ فتح الباری: ج ۶، ص ۳۷۹، ۳۸۰۔ حافظ موصوف کا مزید بیان ہے کہ اسی طرح ابن اسحاق نے اس کو تفصیل کے ساتھ بغیر اسناد کے بیان کیا ہے لیکن ابن اسحاق کے بیان و روایت میں عرض نفس، جوار و نصرت کا اتنا واضح ذکر نہیں ہے، اگر چہ اس کو مضمر مانا جاسکتا ہے

۱۶۴۔ بلاذری: ج ۱، ص ۲۲۸۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۲۰۷۔ طبری: ج ۲، ص ۳۴۷

۱۶۵۔ مذکورہ بالا

۱۶۶۔ زبیری: ص ۲۰۰

۱۶۷۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ محمد۔ رسول اللہ: ص ۵۶۰

۱۶۸۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۳۲۔ و مابعد۔ ابن سید الناس: ج ۱، ص ۲۰۱، ۲۰۵۔ سیرت سرور عالم: ج ۲، ص ۶۸۳، ۶۸۹۔ مفصل بحث ہے۔ تجزیہ کے لئے ملاحظہ ہو: مکی اسوۂ نبوی، کراچی ۲۰۰۸ء: ص ۲۱۲، ۲۱۵۔ و مابعد

۱۶۹۔ مذکورہ بالا کے علاوہ، محمد رسول اللہ، نقوش رسول نمبر لاہور: یاقوت حموی، معجم البلدان، الطائف: **وھی مسیرۃ یوم للطالع من مکۃ و نصف یوم للھابط الی مکۃ**" آگے طائف کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ وہ محصور و حد بند ہونے کی بنا پر طائف کہلاتا ہے اور اس کی تعمیر کی تاریخ بھی دی ہے

۱۷۰۔ مثلاً کاندھلوی: ص ۲۷۶ نے لکھا ہے کہ "وہی عتبہ اور شیبہ جن کا دل اب تک پتھر سے زیادہ سخت تھا، آپ ﷺ کی اس بے یکسی اور مظلومیت کو باغ کے اندر بیٹھے دیکھ رہے تھے، دیکھ کر کچھ نرمائے اور خون قرابت اور رگ حمیت جوش میں آئی" اس تبدیلی قلب کو اجابتِ دعا کا اثر قرار دیا ہے۔ حضرت عداس ؓ کے لئے مزید ملاحظہ ہو: اصابہ: ۵۴۷۰۔ اسد الغابہ: ج ۳، ص ۳۸۹، ۳۹۰۔ حافظ ابن حجر ؒ نے ان کو مولیٰ شیبہ بن ربیعہ لکھا ہے۔ وہ نینویٰ یعنی موصل کے رہنے والے عیسائی تھے۔ ان کی وفات کے بارے میں دو متضاد روایات ہیں: ایک غزوہ بدر میں اپنے آقاؤں کے ساتھ مقتول ہوئے، دوسری مکہ واپس ہو کر وہاں فوت ہوئے

۱۷۱۔ اصابہ: ۸۱۸۱۔ اسد الغابہ: ج ۴، ص ۴۰۶۔ وغیرہ۔ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد الخ، فتح الباری: ج ۵، ص ۴۰۳۔ و مابعد۔ کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ۔ فتح الباری: ج ۷، ص ۵۴۷ و مابعد۔ احادیث بخاری بالخصوص: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ اسلام لانے سے قبل حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ نے اپنے یاران غار میں سے کسی کو قتل کر کے اس کا مال لے لیا تھا اور فرار ہو کر مدینہ پہنچے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسلام قبول کر لیا اور ان سے مقتول کا مال دلوایا۔ فتح الباری میں اس پر خاصی تفصیلات ملتی ہیں

۱۷۲۔ اصابہ: ۹۰۰۴۔ اسد الغابہ ج ۵، ص ۷۰

۱۷۳۔ جمہرہ، ۲۵۵۔ **الذی بعثہ النبی ﷺ الی قومہ داعیۃ الی الاسلام فقتلوہ**

۱۷۴۔ جمہرہ: ۲۶۱، ۲۶۲۔ و ماقبل و مابعد۔ ابن سعد: ج ۸، ص ۱۱۵، ۱۱۶

۱۷۵۔ شبلی: ج ۲، ص ۴۱۲۔ سیرۃ المصطفیٰ: ج ۳، ص ۳۰۳، ۳۰۴۔ اصح السیر: ص ۵۷۵، ۵۷۶۔ سب نے دو تین ماہ ہی لکھا ہے جو شبلی کا عطیہ ہے۔ کاندھلوی نے حضرت عبد اللہ بن جحش سے ان کا نکاح پہلا بتایا ہے اور دانا پوری نے اسے امام زہری کے حوالے سے صحیح ترین روایت قرار دیا ہے۔ ابن سید الناس: ج ۲، ص ۳۸۵

۱۷۶۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۴۶۶، ۴۶۷۔ دوسرے شوہروں پر بحث میں صرف حضرت عبد اللہ بن جحش اسدیؓ سے نکاح کو صحیح مانا ہے باقی روایات کو غیر مصدقہ قرار دیا ہے۔ ابن سعد: ج ۸، ص ۱۳۲، ۱۴۰۔ دونوں ثقفی اور عامری شوہروں کا ذکر کیا ہے

۱۷۷۔ حضرت خالد بن سعید بن العاص اموی ؓ کی پردادی یعنی العاص بن امیہ کی بیوی: ریطہ بنت البیاع..... ثقفی

خاندان سے تھیں۔ جب کہ العاص کی دختر ریحانہ بنت ابی العاص اموی ایک ثقفی شخص کی بیوی تھیں۔ خود حضرت خالد اموی ؓ کی ماں ثقفی تھیں اور ان کا نام تھا: ام خالد بنت خباب بن عبد یالیل۔ وہ دونوں خواتین ایک ثقفی خاندان سے منسوب تھیں۔ حضرت خالد اموی ؓ کی ثقفی ماں حضرت ام خالد بنت خباب بن عبد یالیل ثقفی کے بارے میں سوانح نگار بالکل خاموش ہیں

۱۷۸۔ ابن سعد: ج۱، ص۱۳۲، ۱۴۰۔ دونوں شوہروں۔ ثقفی و عامری۔ کا ذکر کیا اور رسول اکرم ﷺ کو خود پیغام دینے کی صراحت کی ہے ابن سید الناس: ج۲، ص۳۹۱، ۳۹۲۔ اسد الغابہ ج۵، ص۵۵۰، ۵۵۱ نے عامر بن لوی کے سابق شوہر کا نام مختلف بتایا ہے اور ثقفی شوہر کا حوالہ نہیں دیا۔ شبلی: ج۲، ص۴۱۹ و مابعد نے ثقفی اور عامری شوہروں کا ذکر کیا ہے۔ سیرۃ المصطفیٰ: ج۳، ص۳۴۸ نے ثقفی شوہر اول کا ذکر نہیں کیا صرف ابو رہم بن عبد العزیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اصح السیر: ص۶۰۳، ۶۰۵ نے حضرت میمونہؓ کی بہنوں کے رشتوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ انھوں نے دونوں سابق شوہروں کا ذکر مآخذ کی صراحت کے ساتھ کیا ہے

۱۷۹۔ شبلی: ج۱، ص۲۵۰ و مابعد۔ کاندھلوی۔ سیرۃ المصطفیٰ: ج۱، ص۲۷۴۔ اصح السیر: ص۵۶۔ کاندھلوی نے تینوں بھائیوں کے صرف نام دیے ہیں، ان کے نسب کا ذکر نہیں کیا۔ شبلی نے بھی تشنہ بیان دیا ہے: ''ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے''۔ ابن سید الناس: ج۱، ص۱۷۵۔ **وھم اخوۃ ثلاثۃ عبدیا لیل و مسعود و حبیب بنو عمروبن عمیر بن عوف بن عقدہ بن غیرۃ بن عوف بن ثقیف وعنداحدھم امراۃ قریش من بنی جمح**

۱۸۰۔ زبیری: ص۳۸۶، ۴۰۰

۱۸۱۔ ابن اسحاق۔ اردو: ج۱۱، ص۱۹۹، ۲۰۰، ۲۱۲۔ بالخصوص ۲۱۹، ۲۲۰ و مابعد جس میں عتبہ بن ربیعہ کے طرز عمل اور ابو جہل مخزومی کی مخالفت پر ابوطالب ہاشمی کا قصیدہ نقل کیا گیا ہے۔ ابو طالب ہاشمی کی شاعری میں عتبہ بن ربیعہ کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی عداوت و تعذیب کے خلاف تھے جیسے ابو جہل مخزومی وغیرہ تھے۔ ایسے بعض اور اکابر قریش بھی تھے۔ ان پر بنو عبد مناف میں ہونے کا فخر بھی ہے

۱۸۲۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج۲، ص ۲۵۸ و مابعد۔ واقدی: ص ۲۰۱: **وخرج معہ النفر فالبواالعرب وجمعوھا، وبلغواثقیفا فاوعبوا، فلما اجمعوا المسیر و تالب من کان معھم من العرب وحضروا**۔ نیز واقدی: ص۲۵۸، و مابعد

۱۸۳۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج۳، ص۸۲،۶ و مابعد۔ واقدی: ص۲۰۱، ۲۰۲، ۳۰۸ و مابعد۔ بلاذری: ج۱، ص۳۱۲۔ ابن سید الناس: ج۱، ص۴۴۸۔ و ماقبل: تمام اہل سیر نے ابوالحکم بن اخنس ثقفی کے قتل کا شرف حضرت علیؓ کو دیا ہے۔ شبلی: ج۱، ص۳۷۱، ۴ ''برزہ، مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا، اس کی بیٹی''۔ اصلاً برزہ بنت مسعود ثقفی صفوان بن امیہ جمحیؓ کی بیوی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ اور خواتین۔ ایک سماجی مطالعہ: ص۱۰۰، ۱۰۱

۱۸۴۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج۳، ص۲۳۰، مابعد۔ بخاری۔ فتح الباری، کتاب المغازی، غزوۃ الخندق الخ: ج۷،

ص ۴۹۰، ۴۹۱ و مابعد۔ ابن سید الناس: ج ۲، ص ۳۵۔ بحوالہ ابن سعد

۱۸۵۔ نیز واقدی: ۴۴۳ و مابعد۔ بلاذری: ج ۱، ص ۳۴۳۔ **فخرجت قریش فیمن ضوی الیها و لافها من کنانة و ثقیف و غیرهم**۔ شبلی: ج ۱، ص ۴۲۰ نے تین فوجوں پر حاوی لشکر میں صرف غطفان کی فوجیں عیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں۔ کا ذکر کیا ہے باقی کا نہیں۔ عبدالرؤف دانا پوری۔ اصح السیر: ص ۱۴۳، ۱۴۴ نے مختلف احزاب کا ذکر کیا ہے مگر ان کی تفصیل نہیں دی۔ صرف قریشی لشکر کی تفصیل ہے۔ ثقیف کے دستہ کی شمولیت کا ذکر کسی جدید سیرت نگار نے نہیں کیا ہے

۱۸۶۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۳۶۱، ۳۶۳۔ واقدی: ص ۵۷۹۔ **واستنفرت قریش من اطاعها من الاحابیش، واجلبت ثقیف معهم**۔ نیز ۵۹۴، ۵۹۹ و مابعد۔ ہوازن کے بعض طبقات اور ثقیف کے خلاف رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کی قیادت میں ایک سریہ بھی بھیجا تھا۔ بلاذری: ج ۱، ص ۳۷۹

۱۸۷۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۳، ۳۶۔ و مابعد۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو فتحِ مکہ کے موقع پر منزل کا نام نہیں بتایا تھا، لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ واقدی: ۷۹۶ کے مطابق حضرت عائشہؓ نے منزل کے بارے میں یہ کہا کہ شاید بنو سُلیم کا ارادہ ہے یا ثقیف کا یا ہوازن کا، مگر میں صحیح طور سے نہیں جانتی۔ اسی بنا پر لوگوں (صحابہ) نے اس فوج کشی کے مختلف منازل۔ شام، ثقیف، ہوازن وغیرہ۔ کا گمان کیا تھا۔ نیز ۸۰۲ پر قریش، ثقیف اور ہوازن کے اہداف کا خیال مقامِ کدید میں پہنچنے کے بعد پختہ ہوگیا تھا

۱۸۸۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۵، ۶۸۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ہوازن کی جنگی تیاری کی خبر سن کر اپنے جاسوس حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ سے تصدیق کرائی تھی۔ واقدی: ص ۱۰۵۔ و مابعد: فتح مکہ سے قبل اسلامی لشکر نے ایک جاسوسِ ہوازن کو پکڑ لیا تھا جس نے بتایا کہ ہوازن نے لشکر اکٹھا کر لئے ہیں اور عربوں کو جمع کیا ہے، ثقیف نے نہ صرف اپنی فوجیں جمع کر لی ہیں بل کہ جرش سے دبابات و منجنیق وغیرہ کی فراہمی بھی کی ہے اور وہ ہوازن سے اشتراک کرنے والے ہیں

۱۸۹۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۶۸، ۹۲۔ طبری: ج ۳، ص ۷۰، ۹۵۔ و مابعد۔ واقدی: ص ۸۰۵۔ ثقیف و ہوازن کی تیاری کے لئے: ص ۸۶۴۔ ثقفی صدیق نبوی کے لئے: ص ۸۸۵، ۹۲۱ غزوۂ حنین کے لئے

۱۹۰۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۱۲۲، ۱۳۴ اومابعد: طبری مذکورہ بالا۔ واقدی: ۹۲۲، ۹۳۸ و مابعد

۱۹۱۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۱۳۰ و مابعد۔ **ونزل علی رسول الله ﷺ فی اقامته، ممن کان محاصرا بالطائف عبید فاسلموا فاعتقهم رسول الله ﷺ**۔ واقدی: ص ۹۳۱ و مابعد نے گیارہ غلاموں کا ذکر کیا ہے اور ان کے اسماء کے ساتھ ان کے کفیلوں اور مربیوں کا بھی ذکر کیا ہے

۱۹۲۔ نیز بلاذری: ج ۱، ص ۳۶۷ و مابعد

۱۹۳۔ ابن سعد: ج ۵، ص ۵۰۳، ۵۰۴۔ **کان بجرش یتعلم عمل الدبابات والمنجنیق**۔ ماہ ربیع الاول میں مدینہ پہنچے اور اسلام لائے۔ مدینہ میں وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس اترے لیکن حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ان کو

اصرار کر کے اپنے گھر لے گئے۔ حضرت صدیقؓ سے ان کی پرانی دوستی تھی

۱۹۴۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۱۹۴، ۱۹۵۔ طبری مذکورہ بالا۔ واقدی: ص ۹۶۰، ۹۶۲ بالخصوص۔ ابن سعد۔ مذکورہ بالا

۱۹۵۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۸۴ و مابعد۔ ۱۲۲، ۱۲۸ (اھل ثقیف و شانھم مع ابی سفیان والمغیرہ بن شعبۃ)، ۱۹۴۔ ۱۹۵ و مابعد: واقدی: ۹۶۲، ۹۶۳ و مابعد: حضرت قارب بن اسود بن مسعودؓ کے لئے: ۸۸۵، ۹۰۷، ۹۲۹، ۹۶۲، ۹۷۱

۱۹۶۔ ابن سعد: ج ۴، ص ۹۶ وغیرہ۔ ابن سید الناس: ج ۲، ص ۲۷۱، ۲۷۴۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۱۹۴، ۲۰۰۔ طبری: ج ۳، ص ۹۶، ۱۰۰۔ معاہدہ کا متن ملاحظہ ہو: واقدی ۶۴۵ (عالم الکتب طباعت)۔ سہیلی: ج ۴، ص ۳۱۵، ۳۱۶۔ فقہ حدیث کتاب النبی ﷺ ثقیف

۱۹۷۔ واقدی: ۹۶۲، ۹۷۲ وغیرہ۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام: ۴۔ مذکورہ بالا۔ طبری: ۳۔ مذکورہ بالا

۱۹۸۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام۔ مذکورہ بالا۔ طبری، مذکورہ بالا، نے اسی نوعیت کی روایات نقل کی ہے اور موخر الذکر کا زیادہ انحصار ابن اسحاق اور واقدی پر ہے۔ واقدی: ۹۶۲، ۹۶۳۔ ابن سعد: ج ۵، ص ۵۰۳۔ و مابعد نے طائف میں سکونت پذیر صحابہ میں بعض کا وفدِ ثقیف میں شامل ہونا بتایا ہے اور وہ ہیں: ۱۔ حکم بن عمرو، ۲۔ شرحبیل بن غیلان، ۳۔ عبد یالیل بن عمرو بن عمیر، ۴۔ کنانہ بن عبد یالیل بن عمرو، ۵۔ عثمان بن ابی العاص، ۶۔ اوس بن عوف ثقفی (جو حضرت عروہ ثقفیؓ کی شہادت کے ذمہ دار تھے)، ۷۔ اوس بن حذیفہ ثقفی، ۸۔ نمیر بن خرشہ، ۹۔ سفیان بن عبداللہؓ۔ شبلی سلیمان: ج ۲، ص ۴۴، ۴۹۔ میں ارکانِ وفد کے علاوہ کافی تفصیل ہے۔ کاندھلوی: ج ۳، ص ۱۰۷۔ و مابعد۔ کافی ناقص بیان ہے

۱۹۹۔ واقدی: ۹۶۳، ۹۷۳۔ نیز ابن اسحاق۔ ابن ہشام اور طبری میں اس پوری بحث کی روایات ہیں جو تقریباً مماثل ہیں، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا مقالہ ثقیف میں یہ بیان سراسر غلط ہے کہ "ان کے اصرار پر دلداری کے لئے آں حضرت ﷺ نے انھیں زکوٰۃ اور فوجی خدمات سے مستثنیٰ کیا تھا اور سود اور بازار کے متعلق بھی بعض رعایتیں منظور کی تھیں۔ یہ متن معاہدہ: ابوعبید: کتاب الاموال میں ملے گا۔ متن کا تجزیہ نہیں کیا

۲۰۰۔ واقدی: ۹۶۲، ۹۷۲ و مابعد۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام اور طبری مذکورہ بالا

۲۰۱۔ واقدی: ۹۲۸، ۹۲۹۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام اور طبری، مذکورہ بالا بھی اسی طرح کی روایات ہیں اور موخر الذکر کی واقدی سے ماخوذ ہیں

۲۰۲۔ ابن سعد: ج ۵، ص ۵۰۶، ۵۰۷۔ شبلی: ج ۱، ص ۲۵۰، ۲۵۱۔ کا اقتباس ہے: ابن حزم اندلسی نے جمہرہ میں بنو غیرہ بن عوف کے افراد میں ان کا ذکر نہیں کیا اور سیرت نگار بالعموم ان کے اسلام لانے کا ذکر نہیں کرتے۔ اسد الغابہ اور اصابہ دونوں میں ان کا ذکر ہے اور نہ ان کے فرزند کنانہ کا اور نہ ہی ان کے بھائیوں کا

۲۰۳۔ ابن سعد: ج ۵، ص ۵۱۵۔ مختصر ترجمہ۔ اسد الغابہ: ج ۵، ص ۲۹۰، ۲۹۲۔ اصابہ: مذکورہ بالا۔ جمہرہ: ۲۵۷

۲۰۴۔ ابن سعد: ج ۵، ص/ ۵۰۸، ۵۱۰۔ اسد الغابہ: ج ۳، ص ۳۷۳، ۳۷۴۔ ۳۔ اصابہ: ۵۴۴۳۔ جمہرہ: ۲۵۴۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ کی ماں قریشی تھیں اور ان کی اہلیہ بھی قریشی تھیں: ان کا نام تھا: ریحانہ بنت ابی العاصی بن امیہ۔ ان سے دو فرزند محمدؒ اور عثمانؒ ہوئے تھے اور دونوں صحابی تھے۔ اصابہ بالترتیب: ۷۹۹۴، ۵۴۴۹۔ ان دونوں کی ماں حضرت مروانؓ بن حکم بن ابی العاص کے والد حکمؓ کی بہن تھیں

۲۰۵۔ اصابہ۔ خواتین: ۸۲۴۔ تذکرہ القارعۃؓ بنت ابی الصلت الثقفی

۲۰۶۔ اصابہ: ۱۴۱

۲۰۷۔ اصابہ: ۸۹۳۷۔ ایک ثقفی صحابی کا امیرِ مکہ بنایا جانا خاصا اہم معاملہ تھا

۲۰۸۔ اصابہ: ۳۰۳۹

۲۰۹۔ اصابہ: ۶۱۰۴، ۶۷۵۷۔ اول الذکر میں ان کا نام عوف بن مالک کسی نے لے لیا تھا لہٰذا اس کو بھی حضرت حافظ نے شمار کر لیا

۲۱۰۔ اصابہ: ۴۶۶۷

۲۱۱۔ اصابہ: ۵۴۳۹

۲۱۲۔ اصابہ: ۸۰۸۶

۲۱۳۔ اصابہ: ۹۳۶۲: وہ افاضلِ صحابہ میں شمار ہوتے تھے اور قدیم مسلم تھے صلح حدیبیہ سے قبل کے

۲۱۴۔ اصابہ: ۵۵۲۸

۲۱۵۔ جمہرہ انساب العرب: ۲۵۵۔ بحوالہ ابن السکن وطبرانی

۲۱۶۔ خاکہ اسماعیلؓ بن سعید الثقفی: ۱۴۱

۲۱۷۔ ابن حجر۔ اصابہ۔ ۵۱۴۷۔ خاکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی العاص الثقفیؓ میں حافظ موصوف کا بیان ہے کہ ہم نے بار بار بیان کیا ہے کہ اس زمانے میں صحابہ وخلفاء صرف صحابہ کو ہی امیر بناتے تھے اور جو مکہ یا طائف میں باقی رہے تھے وہ حجۃ الوداع میں رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ شریک رہے تھے: **وقد ذکرنا مرارا انهم لم یکونوا فی ذلك الزمان یومرون الا الصحابة، وان من کان بقی بمکة او الطائف من قریش و ثقیف شهدوا مع النبی ﷺ حجة الوداع**

۲۱۸۔ اصابہ: ۲۱۳۸